معظّمہ نقوی کی تالیف "کف دست" کا تجزیاتی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے بی ایس اُردو

مقالہ نگار

اقراء نور

رول نمبر DG-URD-19-50

بی ایس اُردو

سیشن ۲۰۱۹_۲۰۲۳

نگران مقالہ

میڈم طاہرہ بانو

ایسویٹ پروفیسر شعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے

خواتین ڈیرہ غازی خان



شعبہ (اُردو)

گورنمنٹ گریجویٹ کالج (خواتین)، ڈیرہ غازی خان

سیشن ۲۰۱۹_۲۰۲۳



حلف نامہ

میں حلفا بیان کرتی ہوں کہ تجزیاتی مطالعہ بعنوان معظمہ نقوی کی کتاب "کف دست" کا تجزیہ میری ذاتی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس عنوان کے ساتھ یہ تجزیاتی مطالعہ کسی بھی یونیورسٹی میں کسی ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔

اقراء نور

رول نمبر ۵۰

بی ایس (اُردو)

گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے

خواتین، ڈیرہ غازی خان

تصدیق نامہ

اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ میں نے بی ایس اُردو کی طالبہ اقراء نور، رول نمبر ۵۰، سیشن ۲۰۱۹۔ ۲۰۲۳ کے تحقیقی و تنقیدی مقالہ بعنوان ''کف دست معظّمہ نقوی کی تصنیف کی مطالعہ'' کرتی ہوں میں طالبہ نے تجزیاتی مطالعہ سے مطمئن ہوں اور اس امر کی سفارش کے ساتھ اجازت دیتی ہوں کہ اس کا یہ مقالہ بی ایس (اُردو) کی ڈگری کی جانچ کیلئے جمع کروادیا جائے۔

طاہرہ بانو
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو
گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے
خواتین، ڈیرہ غازی خان

انتساب

اپنے پیارے والدین کے نام:

جن کی دعائیں ہر پل میرے ساتھ ہیں جنہوں نے زندگی میں جہد مسلسل کا سبق دیا اور اپنی آغوش محبت میں دنیا کے سنگ ریزوں سے بچائے رکھا اور اپنے اساتذہ کرام کے نام جن کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔

اظہار تشکر

الحمد اللہ! اللہ تعالیٰ کا ڈھیروں احسان جس نے آج مجھے اس مقام تک پہنچایا۔ یہ میرے والدین کی دعاؤں کے طفیل سے جن کی کاوشوں اور ان گنت محنت نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ ان کی محنت اور شفقت کا کوئی نعم البدل نہیں۔

میں سب سے پہلے شعبے کی صدر نشین میڈم شازیہ سلیمان کا شکر ادا کرتی ہوں جن کی زیر لب دھیمی مسکراہٹ طلبہ کو پڑھائی کی طرف متوجہ کرتی ہے میڈم سعدیہ بتول اور میڈم اُم سلمیٰ کا خوشگوار رویہ ہمیشہ یاد رہے گا ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ شعبہ اُردو میڈم طاہرہ بانو جو کہ میرے بی ایس کے تجزیاتی کی نگران ہیں ان کی بے پناہ محبتیں یادوں کا خوشگوار حصہ ہیں ان کی مسکراہٹ اور یادوں کو شاید کبھی نہ بھلا پاؤں۔

میڈم شازیہ سلیمان صاحبہ، میڈم طاہرہ بانو صاحبہ، میڈم اُم سلمیٰ اور میڈم سعدیہ بتول صاحبہ سے احترام کا رشتہ مدتوں یاد رہے گا میں اپنے مقالے تکمیل کے سلسلے میں اپنی نگران طاہرہ بانو صاحبہ کا بے حد شکر ادا کرنا چاہتی ہوں۔ جنہوں نے میری ہر طرح مدد بھی کی ان کی اظہار تشکر کے لیے یقیناً میرے پاس الفاظ نہٰں ہیں میں "معظّمہ نقوی" کی بھی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے اوپر ہونے والے مقالے کے دوران میری مدد کی۔ میں اپنے ماموں جان عامر فرید کی شکر گزار ہوں جنہوں نے خاص طور پر اس مقالے کی تکمیل میں مدد کی گھر والوں کا ذکر کیے بغیر یہ دیباچہ نامکمل رہے گا جن کی ان تھک محنتوں اور دعاوں کی وجہ سے میں اس مقام تک پہنچی ہوں بی ایس کے چار سال کے دورانیہ میں میرے والدین کے ساتھ ساتھ میرے بہن بھائیوں نے بھی میری مدد کی۔ اس جگہ خاص طور پر میں اپنی دوست "نیشا طارق" کا نام لینا چاہوں گی جس نے اس مقالے کی تکمیل میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ بہر حال اس مقالہ کی تیاری میں جنہوں نے کسی طور پر معاونت اور رہنمائی فراہم کی اللہ پاک انہیں اجزائے خیر عطا فرمائے۔ (امین)

شکر گزار

اقراء نور (بی۔ ایس۔ اُردو)

مقالہ برائے بی ایس اُردو

فہرست ابواب بندی

باب اول

معظمہ نقوی کے احوال و آثار

تعارف

آپ کی پیدائش 12 جولائی ڈی جی خان محلہ غازی شہر میں ہوئی آپ کا نام سیدہ معظمہ نقوی ہے آپ کا قلمی نام معظمہ نقوی ہے۔ اور آپ کا تخلص نقوی ہے آپ قومیت سید جعفری و نقوی ہے۔ جن سے آپ کی شادی ہوئی آپ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی آپ نے اُس کا نام سیدہ معجزہ حسن رکھا آپ کی پرورش نھیال میں ہوئی آپ نے ابتدائی د تعلیم سکو نمبر 1 سے حاصل کی آپ نے قرآن پاک کی تعلیم اپنی دادی اماں سے حاصل کی اور آپ کو اُردو شاعری سے لگاؤ بچپن سے تھا آپ ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئی آپ نے شعر و شاعری کر کے کافی حد تک شہرت حاصل کی۔ گھر کی ساری ذمہ دایاں بھی آپ پر ہی ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے شوق کو بر قرار رکھا کبھی نبہ ہونے دیا آپ کو ڈائجسیٹ پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن گھر میں اجازت نہیں تھی گھر کا ماحول سخت تھا۔ اس قسم کی کتابوں کو پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ اپنی دوست سے چپکے سے لے آتی اور چپکے سے پڑھ کر واپس کر دیتی تھی۔ آپ بہت محنت کرنے والی محنتی لڑکی تھی۔

"تعلیم"

آپ نے تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا ہمارے ہاں عام رواج ہے کہ بچے کی "بسم اللہ" قرآن سے ہوتی ہے دنیاوی تعلیم کے لیے آپ کو ایک مقامی سکول میں داخل کرایا گیا آپ ایک بنیادی کلاسز میں امتازی پوزیشن حاصل کی پھر آپ نے ابتدائی تعلیم سکول نمبر 1 سے حاصل کی اور اعلیٰ ثانوی کی تعلیم شہر کے قدیم پائی سکول ملا قائدہ شاہ سے مکمل کی آپ نے امتازی نمبروں سے میٹرک کی سند حاصل کی معظمہ نقوی بتاتی ہیں کہ

”میں نے امتیازی نمبروں سے میٹرک کی سند حاصل کی پھر میں نے

ایف اے گورنمنٹ کالج برائے خواتین ڈی۔جی۔خان سے کیا اور

پہلی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی“۔

آپ نے ایم۔اے اُردو میں داخلہ لیا۔ ایم اے اُردو (تاحال سلسلہ جاری ہے) ایم۔اے اردو کی ڈگری حاصل ڈپلومہ جات لائبریری سائنس و کمپیوٹر آئی۔ٹی والم۔ ایس ورڈ کیا اعلیٰ تعلیم کے لیے گریجویشن کی تعلیم اور ماسٹر کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔

معظمہ نقوی لکھتی ہیں کہ:۔

”میں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف اسکولز میں ایڈمنز ٹیچنگ کے

فرائض کو بھی آپ نے بخوبی سے نبھایا“۔(۲)

آپ کچھ عرصہ اسٹیٹ لائف انشورنس پالیسی کی فیلڈ سے منسلک بھی رہی یہاں کی تہذیبی ورکشاپ کو بھی مکمل کیا مگر شعبہ نہیں بناسکیں۔ معظمہ نقوی اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتی ہیں کہ:۔

”ملک کے تمام بڑے کتب خانوں ذاتی لائبریوں، اور اہم شناسی

اداروں کی مطبوعات چھان ماری ہے“۔(۳)

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے کہ:۔

”ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں آپ کا نمبر پہلا ہے“۔(۴)

معظمہ نقوی ایک اور جگہ پر بتاتے ہوئے کہ:

”آپ کی شادی کی تاریخ 25نومبر 2012ء ہے“۔(۵)

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے کہ:

''میرے بھائی سید ناصر عباس اور سید یاور عباس ہے اور بہن ندا بتول

ہے''۔(۶)

پیدائش اور تعلیم:۔

معظمہ نقوی نے تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا قرآن مجید اپنی والدہ سے پڑھنا شروع کیا۔ بچپن سے اپنی والدہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے صرف پہلا پارہ باقاعدہ اپنی والدہ سے پڑھا جب کہ باقی پارے اُن کو سُنائے۔ معظمہ نقوی کے گھر میں اُن کی دادی اماں اور والدہ سے محلے والے تمام بچے لڑکیاں قرآن پاک پڑھنے آئی تھی اور دور دراز سے عورتیں بھی آپ کی دادی اماں سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے آتی معظمہ نقوی کی پیدائش ننھیال میں ہوئی پرائمری میں اُن ک اکلاس انچارج ماسٹر رحیم الدین مغل تھے جو ایک محنتی ماہر اور مخلص استاد تھے۔ جہنوں نے نرمی سے پوری کلاس سے محبت کروائی اُن کے دلوں تختی لکھنے پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی جس سے خوش خطی کا اہتمام ہوتا تھا:

''میں نے 12 سال کی عمر میں مکمل قرآن پاک اور دیگر وظائف،
منتخب سورش، حدیث اور دُعائے کو میل پڑھ لیں تھی''۔(۷)

معظمہ نقوی کو پڑھانے والے تمام استائدہ قابل قدر ملے آپ نے ساتویں جماعت تک کوئی ٹیوشن نہیں رکھی تھی۔ معظمہ نقوی اپنے ہم بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آتی تھی۔

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے کہ:۔

''اگر لگن سچی اور ارادے پختہ ہوں تو اور جدوجہد کا حوصلہ ہو تو کسی

بھی چیز کا حصول ناممکن نہیں ہے''۔(۸)

آپ کی پرورش آپ کی نانی اماں نے کی تھی آپ کو پہلے دن سے اُنہوں نے گود میں لیا تھا آپ کی طبعیت کم

گو ہے اساتذہ کرام سے بہت ہی کم بولا کرتی تھی آپ کو اساتذہ کرام سے ڈر لگتا تھا اس کے باوجود بھی آپ ہمیشہ اُن کی

پسندیدہ طالبہ رہی ہے۔ معظمہ نقوی لکھتے ہوئے کہ:

میں پوزیشن ہولڈر بھی رہی میں نے جماعت چھٹی سے میٹرک تک

مولانا فائد شاہ ہائی سکول میں کی اور ایف۔ اے کی تعلیم گورنمنٹ

ڈگری کالج برائے خواتین سے تعلیم حاصل کی"۔(۹)

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے کہ:

"زندگی کے گلور جئیس دن کالج کی زندگی کے ہے جو کہ کالج کی بے

حساب یادوں سے وابستہ ہے"۔(۱۰)

معظمہ نقوی بتاتی ہیں۔

"میرا بچپن بہت ہی شاہانہ اور لاڈو پیار میں گزار"۔(۱۱)

معظمہ نقوی نے نوائے نقوی میں مضمون باکمال من کے لیے زوال خدمت اپنے نانا جی پے لکھتی ہے معظمہ نقوی نے

تعلیم کالج لائب اور باقی ڈگریاں پرائیوٹ اداوں سے حاصل کی ہے معظمہ نقوی کا رحجان نظم کی طرف ہے۔ آزاد نظم

"کھو گئے ولا سارے معلوم لمحے

بے مطلب سی چاہتیں

سچے سارے جذبے کہا گئے

میرے بچپن کے وہ بے مول لہجے "(معظمہ نقوی)

معظمہ نقوی نے یہ نظم لکھی ہے جس کا نام آزاد نظم لیے معظمہ نقوی کا رحجان جو کہ تعلیم کی طرف ہے یہ

نظم آزاد نظم ہے اور اس نظم کا عنوان "لہجے" ہے

معظمہ نقوی بتاتی ہے کہ

> "میں نے تعلیمی حوالے سے بہت سکولوں، کالجوں اور اکیڈمی لیوں
> میں نوکریاں کرتی رہی ہو اور ایڈمن لیول پر بھی نوکری کرتی رہی ہو
> جس نے ایڈمن لیول مس تقریباً میٹرک کے بعد سے ہی کام کرنا
> شروع کیا ہے میں نے اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی بھی
> جاری رکھا"۔(۱۲)

معظمہ نقوی نے کالج میں بھی انٹر تک تعلیم حاصل کی اور باقی تعلیم گریجویشن علامہ اقبال سے حاصل کی

معظمہ نقوی نے ماسٹر بھی کیا آپ نے ورک شاپ جس میں بھی کام جاری رکھا لیکن اس کو آپ شعبہ نہیں بنا سکی پھر

اس کو چھوڑ دیا۔

معظمہ نقوی بتاتی ہیں۔

> "میری تربیت میں سب سے بڑا ہاتھ میرے خاندان کا ہے میری
> دادی اماں اور والد صاحب ادبی لگاؤ کر کھتے تھے۔ جس کا واضع اثر
> میر خون اور رگوں میں سمایا ہوا ہے اور پھر آبائی علاقہ اولیاء کی سر
> زمین ہے جس نے اس پورے خطہ کو پر شعو فضا مہیا کی جس کی وجہ
> سے مجھ ناچیز میں ادبی شعور پیدا ہوا"۔(۱۳)

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

"میرے والد صاحب گریجوئیٹ ہیں اور میری والدہ میٹرک پاس

ہیں اس کے بعد انھوں نے ووکیشنل کالج چار سال ڈپلومہ کیا"۔(۱۴)

معظمہ نقوی نے اپنی پہلی تصنیف "نوائے نقوی" منظر عام پر آئی اور یہ کتاب میری نثری تخلیقات تحقیقی

مضامین، کالم و تبصرہ جات پر مشتمل ہے اور اس کے دیباچے میں لکھتے ہوئے کہ۔

"ملک کے تمام بڑے کتب خانوں میں ذاتی لائبریوں، غالیاتی ذخیروں

اور اہم اشاعی اداروں کی مطبوعات جھان ماری ہے اور میں یہ بات

اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ غالب کے حوالے سے لکھی گئی کوئی

اہم اور نادر تصنیف ایس نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو"۔(۱۵)

معظمہ نقوی اپنی بیٹی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہ:

"میری بیٹی کا نام سیدہ معجزہ حسن نقوی ہے یہ نام اس کے بابا جانی اور میں نے رکھا اور

میری بیٹی کی پیدائش 17 مئی 2021 میں ہوئی"۔(۱۶)

معظمہ نقوی لکھتی ہے۔

"میرے دادا جان جب فوت ہوئے تو آپ پانچ سال کی تھی اور

دادی جان جب فوت ہوئی تو اُس وقت آپ سات برس کی

تھی"۔(۱۷)

معظمہ نقوی اپنے پسندیدہ اُستاد جھنوں نے آپ کی ہمیشہ مدد کی اور آپ میں لکھنے کی صداحیت کو اُبھارا ہے

اس کے بارے میں بتاتے ہوئے۔

"آپ کے استاد گرامی جناب محترم آفتاب حسین سرائی صاحب ڈی۔جی۔خان کی مشہور علمی شخصیت ہیں انہوں نے آپ کو بہت ہی ہمت و حوصلہ دیا اور رئٹس المتغرلین نثر نثر و شاعری کے میدان میں بے مثال شخصیت جناب مظفر احمد مطفر صاحب آف لندن جنہوں نے آپ کو ہر موڑ پہ سراہا اور کبھی حوصلہ شکنی نہیں کی ہمیشہ آگے پڑھنے کی تلقین کی"۔(۱۸)

عائلی زندگی:۔

معظمہ نقوی ڈائجسٹ وغیرہ پڑھتی تھی گھر کا ماحول سخت تھا تو اس قسم کی کتابون کو پڑھنے کی پابند ہوتی تھی اجازت نہیں ہوتی تھی۔بہت سختی ہوتی تھی وہ اپنی دوست سے چھپکے سے کتابیں لے آتی تھی اور چوری چپکے پڑھ کے اپنے دوستوں کو واپس کر دیتی تھی اور فارغ وقت نکال / فارغ وقت میں پڑھتی تھی اور پھر اس کو واپس کر دیتی تھی۔ معظمہ نقوی لکھتے ہوئے

مجھے بچپن سے ہی پڑھنے کا شوق تھا اس لیے لائبریری سے کتابیں نکلواتی وہاں اکثر جاتی تھی اور مجھے ڈائجیسٹ پڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ گھر والوں کے منع کرنے کے باوجود بھی آپ چپکے سے پڑھتی تھی امتحان کے دنوں میں بھی آپ ڈائجسیٹ پڑھتی یہ کام انہیں چھپا کر کرنا پڑتا"۔(۱۹)

معظمہ نقوی نہ صرف پڑھنے کا شوق و دلچسپی دکھی بلکہ لکھنے کی بھی بھرپور شوقین رہی۔اگر ہم اس کے معنی اثرات بے تو میرے خیال سے ہوئے زیادہ تر لڑکیاں پڑھ پڑھ کر معنی کردار پر معنی اثرات ہوتے ہوگے لیکن آپ نے ایسا

کبھی بھی محسوس نہیں ہاں البتہ ’’لڑکیاں زیادہ تر ان کو پڑھ پڑھ کے معنی رحجانات کی طرف زیادہ چلی جاتی ہے اُن کو

چاہتے کہ اسے جنون نہیں بنائے۔

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔

’’میں اپنی سوچ کو آگے کرنے کے لیے کہانیاں ناول پڑھتی ‘‘۔(۲۰)

اگر تو ہم اُسے منفی خیالات کو پروئے کار لانے کے لیے اس سے طریقہ نکالے گے تو ہی نکلے گا اور مثبت کام لائے گے تو وہی اثر نکلے گا تو شاہدی یہی اثر ہے آپ نے اُن کو پڑھ پڑھ کے تو افسانہ لکھنا سکھیں ڈائجسٹ کی کہانی سے آپ نے بہت کچھ پڑھ کے سیکھا ہے اور ان میں (تین عورتیں تین کہانیاں) پڑھتی تھی اخبار جہاں میں اور اس کے علاوہ شاعری کی طرف تو آپ کا بچپن سے ہی رحجان رہتا ہے۔ معظمہ تقوی لکھتی ہے کہ

’’مضامین اور کالم میں اس قسم کی سرگرمی کچھ تو خدا کی دین ہوئی اول
تو کچھ آپ سمجھتی ہے کہ خدا کی دین ہوتی ہے ورنہ بند تو کچھ بھی نہیں
لکھ سکتا ہے اول تو بندہ کچھ بھی نہیں لکھتا بندہ ایک پیراگراف بھی
نہیں لکھ سکتا اگر اُسے لکھنے کو دے دیا جائے اگر خدا اسے لکھنے کی
صلاحیت نہ ہو تو ایسا ہوتا ہے ‘‘۔(۲۱)

مطالعہ انسان میں بہت اہم کردار ادکرتا ہے اس حوالے سے مجھے شروع سے شوق تھا معظمہ بتاتی ہے۔

’’مجھے بچپن سے ہی چھٹی میں جاجائنے کا بہت شوق تھا اس حوالے سے انشاء
اللہ جلد آپ میں ایک کالم بھی لکھے گی کالم کی صورت میں تو اس حوالے سے
بھی آپ نے بہت سی کتابیں بھی پڑھتی ہے "۔(۲۲)

معظمہ نقوی نے عجیب و غریب قسم کے سوالات کیے جس میں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں کالم نویسی بھی بن گا معظمہ نقوی تجربہ کرتی ہے اور کوشش کرتی ہے اور وہ اپنے الفاظ قارئین کے سامنے رکھتی ہے اور آپ اپنا فیصلہ قارئین کے سایہ چھوڑتی ہے وہ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہے اور ہمارے معاشرے میں پڑھتی ہوئی راہ روہی اور منفی رحجانات آپ کی کوشش ہوئی ہے کہ آپ ان پے زیادہ سے زیادہ کام کرے اور آپ ان چیزوں کو واضع کرے جن سے ہمارے معاشرے میں بُرے سے بُرے اثرات پیدا ہورہے ہے جن سے بُرے اثرات بننے کی وجہ بن رہے ہے۔ معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

"اب تک میں نے تین افسانوں میں کام رہاہے تو مزید افسانوں میں
کام کرنے کے لیے زندگی کی کشمش میں وقت نہیں ملا کہ میں اس
طرح دوبارہ کام کر سکیں۔"(۲۳)

البتہ شاعری کا کام جو تھا وہ کافی پہلے کا تھا اور ماسٹر کے دوران مضامین کالم اور تبصرہ کی طرح زیادہ سے زیادہ رحجانات ہوگا اس پر آپ پر کچھ نہ کچھ لکھتی رہی جسکا نتیجہ نوائے نقوی کی صورت میں آپ کے ساتھ میں ہے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ معظمہ نقوی تباتے ہوئے۔

"میرے پاس اتنا مواد ہو گیا تھا کہ اُسے کتاب کی شکل میں قارئن کی
نظر کرنا پڑا"۔(۲۴)

ناول کا رحجان معظمہ نقوی کا نہیں ہے بلکل بھی نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے پاس کتاب لینے درس توجہ ہٹ چکی ہے وہ ہر کام کو جلد سے جلد کرنا چاہتے ہے۔ معظمہ نقوی ایک چھوٹی سی مثال کے بارے میں بتاتے ہوئے۔

> ”جب ہم چھوٹے سے ہوتے تھے تو تین گھنٹے کی ویڈیو ہوتی ہے قلم کی
> طرح جس کو آپ کم وقت کر کے 3 سیکنڈ سے 1 سیکنڈ تک کی دوری
> تک بنا دیا گیا۔“(۲۵)

تو ہی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہے کہ ہر بندہ کام کو کتنا جلدی کرنا چاہتا اور اپنا پیغام جلد از جلد بھیجنا چاہتا ہے تا کہ اور وقت اگلے بندے کے لیے اکتاہٹ کا باعث نہ بنے معظمہ نقوی ناول اور زیادہ لمبی کہانیوں سے آپ خود بھی انتہا کرتی ہے۔

> ”میری کوشش ہوتی ہے کہ سمندر کو کوزے میں بند کر سکو جتنا مختصر
> ہو سکے اس تحریر کو اپنی کالم بند کرو تا کہ قارئین کی اکتاہٹ کا باعث
> نہ بنے قارئین کی توجہ کا باعث بنے اور توجہ کا مرکز بنے وقت کی
> ضرورت کے ساتھ ساتھ جو وقت کا تقاضا ہوتا ہے اس کو بھی ضرور
> پورا کرنے اور وقت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہر ادیب کے
> اور لکھاری کی کوشش ان کی اور اپنے ذہن کو سچی سمت سے ہی چلایا
> ہے اور اہمیں اس بات پر، د منظر رکھنا چاہتے۔“(۲۴)

معظمہ نقوی کو بہت سے لوگوں نے کہا کہ آپ ناول پر کام کرے لیکن آپ کا اس طرف رجحان نہیں تھا بلکل ذرہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی مستقل میں اس طرف اردہ آپ کا اردہ ہے کیونکہ جو کام معظمہ نقوی نے اپنے حصے میں لیے اُن کو با تکمیل تک لے جانا چاہتی ہو۔ جس سمت میں اپنی پہچان بناتی ہے وہ افسانہ نگاری ہے ”تبصرہ جات، مضامین،

کالم جات اور شعری ہے ان میں اپنا کام سارہ مکمل کام جات کرنا چاہتی ہے۔اسکے علاوہ دیگر اصناف ٹھیک ہے وہ ہی بہت اچھی ہے مگر معظمہ نقوی کا کوئی ارادہ نہیں ہے ان پہ کام کرنے کا۔

گھریلوزندگی

معظمہ کو اپنی اماں جان سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی ان ”ان سے یوں کہ دو اگر تو بے جانہ ہو گا کہ میرا پہلا محبوب میری ماں تھی وہ ذات مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ آپ کے لکھنے کا سفر بچپن سے ہی جاری ہے جب شعوری سطح اتنی نہ تھی کہ اپنے لکھنے کو کوئی نام بھی دے سکوں۔

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔

> ”میں نے باقاعدہ طور پر تیرہ برس کی عمر میں پہلی نظم منظر نگاہیں لکھی پھر اس وقت کی سکھی کو سنائی پھر اس کے بعد جو بھی لکھتی اُس کو سنائی جب وہ تعریف کرتی تو میرا ایک پاؤخون بڑھ جاتا یوں یہ سلسلہ جاری رہا اور میں نہ کوئی ڈائریاں بنائی میری فطرت عام لڑکیوں کی طرح کبھی نہ تھی“۔(۲۷)

نہ آپ کو رنگ برنگے کپروں، بھڑکیلے کپڑوں کا رنگ کبھی جنون رہا نہ زیورات و دیگر کھلونے جو ہر لڑکی کی کمزوری ہوتی ہیں اگر کسی آپ کی توجہ مرکز بنی یا کمزوری سمجھ لیں خوبصورت پن اور ہر سال کی ہو ڈائرئی ہوتی یا پھر ہر رنگ کے پھول ہوتے گھر کا ماحول باپردہ مذہبی اور سخت تھا نسلیں اور دینی کتب کے علاوہ گھر میں کسی اور کتب کا بڑھنا منع تھا یوں معظمہ نقوی بیان کرتے ہوئے کہ۔

مجھے خود کو جلد منظر عام لانے کا آپ کو کوئی ساز گار ماحول میسر نہ اس کا اور وقت کے دھارے سے چھوڑ دیا

مگر اپنا لکھا سنبھال کر رکھا صد شکر مولا پاک کے کہ آپ کے ہمسفر نے اس معاملے میں آپ کو بہت ہمت و حوصلہ دیا

اور یوں ادب سے عقیدت و جنون کا رشتہ مضبوط رہا۔

معظمہ نقوی بتائے ہوئے۔

> "میں ادبی دنیا میں 2018 میں متعارف ہوئی 2019 فروری میں پہلا
>
> انتخاب کف دست میں آپ نے بہت پہلے ترتیب دیا اور اس کو منظر
>
> عام برے آئی اور اس کے بعد 2021 ستمبر میں مرتبہ و اسلام کا
>
> انتخاب "موت نامہ" "تدوین کیا"۔(۲۸)

آپ نے "کف دست، اور موت نامہ ان دونوں میں ان دو تالیفات کا مقصد آپ نے اپنی ناقص الصقل کے

ذریعے یوں سوچا کہ آپ کو اپنے بزرگو کی پیہروی میں قدم بڑھانا ہے آپ انھیں کے نام سے خود کو پہچان بنائیں کیونکہ

آپ کا فخر وجود اور آپ کی ذات کی شناخت انھی کے دم قدم سے ہے ب کائنات نے آپ کو اپنی اس سوچ میں سر مرہ

فرمایا اور آپ کی اوقات سے بڑھ کر آپ کو نواز 2014ء سے ملکی و غیرہ ملکی اخبارات و رسائل و جرائد میں جتنی نثری

تحریر لکھی اُن تمام کو یکجا کر کے آپ نے 2023ء جنوری میں اپنی پہلی تصنیف نوائے نقوی "منظر عام پر لائی یہ کتاب

آپ کی تحقیقی مضامین، کالم و تبصرہ جات پر مشتمل ہے شاعری میں آزادی نظم کو تبصرہ بنایا اور آخری بارش کی صورت

میں اپنے مارئین کی نظر کی اس کے علاوہ غزل، متعرف اشعار، اسلام و قطعات لنیز افسانہ نگاری ہے ڈی۔جی۔خان کی

وکی لیڈیا سپڑی میں نامور شخصیت کی فہرست میں بطور شاعر آپ کا درج ہو چکا ہے۔

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

"میری آرزو ہے کہ میں ایک ایسا کام کر جاؤں ادب کے سمندر اک

لازوال قطرہ بن کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاؤں"۔(۲۹)

ملازمت

ملازمت اور روزگار ہو ناہر عاقل ، باقل پاکستانی شہری کی ایک اہم ضرورت میں شامل ہے بھرپور اُترنا فرائض میں شامل ہے کیونکہ بچپن میں انسان ضرورت زندگی کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے کیونکہ بچپن میں ساری کی ساری زمہ داریاں والدین اپنے سر اُٹھاتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ انسان کی ذمہ داریاں تبدیل ہو جاتی ہے وہ بچہ بڑا کر اپنے بوڑھے والدین کا دست وبز بنتا ہے اسی طرح معظمہ نقوی نے بھی اپنی ذمہ داریاں بڑے حسن طریقے سے نبھائی آپ نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی موٹی ملازمیں جاری رکھیں۔ **معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔**

"ایف۔اے کے بعد میری عملی زندگی کا آغاز ہوا۔والدین نے

میری شادی کر دی اسی وجہ سے میری ذمہ داریاں بڑھ گئیں بلکہ نئ

ضرورتوں نے بھی جنم لیا"۔(۳۰)

ملازمت کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ نے ایم۔اے اُردو کیا آپ کی تعلیم کا سلسلہ تاحال جاری ہے معظمہ نقوی اپنے دورانیہ ملازمت میں قابل استاء کے طور پر فرائض کو سرانجام دیتی ہے۔

"میں دعا گو اُن کی محنت مند زندگی اور اُن کی لمبی عمر کے لیے۔!

ازدواجی زندگی اور اولاد:۔

کسی بھی شخص کی ازدوجی زندگی کا اس کے انداز فکر اور پوری زندگی کے طرز پر گہرا اثر پڑتا ہے شخصیت سازی میں زندگی کے اس پہلو کا بہت بڑا عمل دخل ہے ازدواجی زندگی کی سنت جس کی بنیاد حضرت آدم اور حضرت حوانے رکھی تھی معظمہ نقوی نے بھی اس فریضہ کی بھرپور پاس داری کی اور معظمہ نقوی تورشتہ ازواجی سے منسلک رہا اُن کی شادی سید مہدی حسن نقوی سے ہوئی اور آپ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام آپ نے سید معزہ حسن رکاھ آپ کی قومیت سید جعفری نقوی ہے آپ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہے

معظمہ نقوی نرم دل اور نیک طبعیت خاتون ہیں"

معظمہ نقوی نرم روطبعیت کی حامل ہیں اُن کی شخصیت پُروقار سے سادہ مزاج ہے اور اسی طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئی کہتی ہے معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔

'معظمہ نقوی کے بارے میں اتنا کہوں گئی اور نہایت مخلص، ہمدرد،

اور مہربان جیون ساتھی ہیں"۔(۳۱)

اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے بقائے نسل انسانی بڑھوتری کے لیے اولاد کی خوائش فطری ہے اللہ تعالیٰ نے معظمہ نقوی کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے وہ اپنے لینے اولاد کو خوش بختی قرار دیتی ہیں اللہ پاک نے انہیں بچوں سے نوازہے معظمہ نقوی نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بخوبی طریقے سے انجام دیا۔ معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔

"ہر کامیاب انسان کی کامیابی جہاں اس کی صلاحیت محنت لگن کے

مرہون منت ہوتی ہے وہاں گھر کا سکون ، ماحول بھی اہم کردار ادا

کرتا ہے"۔(۳۲)

شخصیت و کردار:۔

معظمہ نقوی عادت فضائل روایت کے لحاظ سے مفات کے حامل ہیں اُن کی زندگی محنت اور ذہانت کے بنیادوں میں استوار ہے اور اُن کی زندگی ہر دم جوان رہتی ہے معظمہ نقوی کو ذاتی ملاقاتوں، ٹیلی فون خطوں، اخباروں اور رسالوں کے ذریعے ادبی دنیا اور دوستوں سے آگہی ملتی ہے آپ اردو ادب کے منصر قلم کار ہے آپ کی شخصیت میں یکسانیت ہیں آپ کی طبعیت میں محسن مزاج اور نفاست نظر آتا ہے اُن کا دل انسانیت کے دُکھ پر تڑپتا ہے اُن کا مزاج لالچ اور زدلسپدی سے بالکل لپاک ہے اپ کی ایک دوست جو پندرہ برس سے آپ کو جانتی ہیں۔

معظمہ نقوی اپنی دوست کے بارے میں بتاتے ہوئے۔

"میں اسے تیرہ سال سے جانتی ہو وہ بہت اچھی دوست اور بہت ملنسار طبعیت کی مالک ہیں وہ ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سماجی ورکر میں خاصا اچھا مقام رکھتی ہیں وہ اپنے گاؤں کے ساتھ میں میل ملاپ اور طبعیت میں طبعیت میں اُن کی مدد کرتی ہیں"۔(۳۳)

ہر انسان اخلاقی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اس طرح معظمہ نقوی کو نکھارے اور سنوارنے بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے کس بھی انسان کو جانچنے، پر لکھنے اور سمجھنے کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے رابط کو ترجیع دیتے ہیں جس میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہوتے ہیں حسن واخلاق نے نہ صرف انہیں معاشرے کا کارآمد ار اور منفرد بنادیا اُن کی زندگی سادہ ہے معظمہ نقوی دردمند اور حساس طبعیت رکھتی ہیں کسی بھی انسانی شخصیت کو جاننے کے لیے اور پرکھنے کے لیے اس کے دوست، احباب اور رشتہ دار نمایاں اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ انسان کی پہچان اُس

کے دوستوں سے ہوتی ہے کچھ دوست زمانہ معطیٰ سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں معظمہ نقوی دوست کی سیرت و

شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کرتی ہے۔ **معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔**

"آپ کی دوست بہت اچھی ملنسار طبعیت کی مالک ہیں وہ شاعری کے

علاوہ قرآن و حدیث پر کافی عبور رکھتی ہیں اور علمی و ادبی شخصیت

ہیں"۔(۳۴)

معظمہ نقوی خونی رشتوں کو محترم سمجھتی ہیں وہ انسانوں میں کسی قسم کی بھی بد تمیز و امتیاز کی قائل نہیں ہیں

معظمہ نقوی، دوستوں، محلے داروں اور ہم جماعتوں کے ساتھ محبت، شفقت سے پیش آتی ہیں اور اُن کی حامی نواضح

اور مہمان نوازی کرتی ہے۔ بہت صابر اور شاکر صفدر انسان ہیں معظمہ نقوی تباتے ہوئے کہ میں ایک مثالی شخصیت کی

حامل ہوں آپ کے سارے رشتے داروں اور خاندان کو آپ پر فخر ہیں اولاد قدرت کا تحفہ ہے اور خاص طور پر

فرمانبر دار اور نیک اولاد اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے۔ معظمہ نقوی کی والدہ محترمہ اُن کے بارے میں بیان

کرتے ہوئے۔

"میری بیٹی سیدہ معجزہ حسن میری بے حد سے زیادہ خدمت کرتی ہے

اور بے حد ادب کرتی ہے مجھے کسی قسم کی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی

میری دان رات نیک دعائیں شامل حال رہتی ہیں"۔(۳۵)

عشق خدااور رسول ﷺ:

معظمہ نقوی ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے ننھیال مذہبی لوگ تھے۔ اس لیے اُنکی

طبعیت میں بھی مذہبی رنگ مرحذن ہے آپ حضور پاک ﷺ سے والہابہ محبت رکھتی ہیں گھر کی تربیت کے علاوہ

انہیں اونیانہ محبت رکھتی ہیں گھر کی تربیت کے علاوہ انہیں اولیائے کرام سے بڑی عقیدت ہے اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے عزاز و حاضری ان کے معملات میں شامل ہے پھر آپ نے قرآن پاک کو اپنا معمول بنایا ہوا ہے انشاءاللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی آپ کا یہ رسالا کام محبت رسول کی عکاسی کرتا ہے۔

میرے معظمہ تک کا شاعری مطالعہ:۔

معظمہ نقوی اُردو شاعری سے ہر زمانے میں خاص وعام کا دل لچسپ مشغلہ رہا ہے اور ان ہر دلعزیز کتابوں کے ذریعے آپ اُردو شاعری میں بہت فروغ حاصل کیا اور ہیر قاری کے لیے اس طرح کی سہولت میسر نہیں ہوتی ہے مختلف شعراء کرام کے دیوان اور ملکیات تک رسائی حاصل کر سکیں۔

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

> " اگر آتش ، مومن جیسے مادر کلام شعراء کے کلام کا لطف لینے
> کے لیے دیوان کی تلاش میں نکلیں تو بڑے بڑے کتب گھروں سے
> بھی مایوس لوٹیں گے۔ اشعری انتخاب پر مشتمل یہ کاوش اپنی جگہ
> ایک اہمیت کے حامل ہے"۔(۳۶)

معظمہ نقوی ایم۔اے۔اُردو کی طالبہ ہیں اُن کی دلچسپی نثر اور شاعری دنوں میں ہے میر تقی میر کے 72 نشر سناقدین کی توجہ حامل رہے ہیں معظمہ نے اس انتخاب میں 74 نشر سمو کر اایک خوبصورت انتخاب ادب شعر کے قارئین کی نظر کر دیا ہے معظمہ نقوی نے اپنی تشریح اور حوالہ جات کے لیے عمدہ اشعار کی تلاش میں اب ان کو خاص سہولت دی معظمہ نقوی کی پہلی محبت ، پہلی نظر ، دیہات کی قسم ، مصنف (احسان دانش) ہے معظمہ نقوی کی کتاب (کف دست) میں شاعری کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اور شاعری پر تصبرہ کیا جاتا ہے۔

”میر سے معظمہ“ تک کا یہ شعری انتخاب شعری ذوق رکھنے والے

قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ بھی ہے“(۳۷)

عرض حال:۔

شکر اُس خالق کائنات کا جس نے مجھے ایک ایسی صلاحیت سے نوازا جس میں اپنا مجموعہ کلام مکمل سکوں۔ شعر وشاعری کرنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغلہ ہے اور نہ ہی خود نمائی کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ، بلکہ یہ میرے لیے جذبات و محسوسات کے اظہار کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے مشاہرے اور مطالعہ کی کمی کی شکایت کی فکر نہیں ہے یعنی جو کچھ بھی ہے وہ ”میرا“ ہے میں بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہو مگر منہ کے ذریعے کو بدسے کے لیے اس بار کچھ چند ہی نظمیں اور کچھ ریاعیت بھی شامل کر دی ہیں۔

معظمہ نقوی نظم لکھتے ہوئے۔

نظم

”تم“ اس دنیا میں

”تم“ میری بھٹکی ہوئی

زندگی۔۔ اور لاحاصل، خواہشوں کا مکمل ایڈرس ہو!(معظمہ نقوی)۔۳۸

مشاغل:

مشاغل انسانی زندگی میں اہم موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں مشاغل انسانی زندگی کے سنورنے اور بگڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اسی لیے معظمہ نقوی نے اچھے اچھے مشاغل اپنا کر اپنے کو بارعب اور عظیم ادبی شخصیت کے سانچے میں پورا اترہے ایک مشغلہ صبح کی ورزش ہے معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

"میں محنت کے اُصولوں کے مطابق ورزش کرتی ہوں تا کہ صحت

کے اصولوں کے مطابق ورزش کرنے سے صحت ہشاش بشاش رہے

اور تمام جسمانی اعضاء مناسب طور پر کام کر سکیں ویسے بھی ورزش

عمر درازی کا سبب بنتی ہے"۔(۳۹)

لہذا انہوں نے باقاعدگی سے ورزش کو اپنا معمول بنا رکھا ہے جو اہم مشغلہ کے زمرے میں آتا ہے ان کا سب سے بڑا مشغلہ کتابیں پڑھنا ہے گھنٹوں کتابوں کی ورق گردامی میں معروف رہتی ہے اگر ان کو مطبولہ کتاب دوسرے ملک سے بھی منگوانی پڑے تو گریز نہیں کرتی ہیں ان لیے انہوں نے اپنے کالج میں بڑی لائبریری لیا کر رکھی ہے اس کے علاوہ گھر میں بھی ایک ذاتی لائبریری موجود ہے جس میں بہت سی تاریخی کتب اور قرآن مجید کی تغاسیر کی منعقد د اہم مشغلہ ہے اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سلسلہ بھی شروع کرر کھا ہے جس میں خود درس قرآن مجید دیتی ہے ۔معظمہ نقوی لکھتے ہوئے کہتی ہیں

"اخبارات کا مطالعہ اور نیوز چینل ہ رملکی حالات سے واقفیت رکھنا

بھی اُن کا اہم مشغلہ ہے مختلف کالم پڑھنا اور دوسری ملکی خبروں سے

آگاہی حاصل کرنا ضروری سمجھتی ہیں"۔(۴۰)

اس کے علاوہ معظمہ نقوی بتاتے ہوئے

"آپ کو لکھنے پڑھنے کا بہت شوق ہے ٹی وی، اخبارات کا مطالعہ کرنا،

کھیلیں دیکھنے کا بہت شوق رکھتی ہیں"۔(۴۱)

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے۔

"علم وادب سے لگاؤ مجھے ورثے میں ملا ہے"۔(۴۲)

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے کہ۔

”میں نے بچوں کی آمد کے بعد تمام تر توجہ اپنی پر مرکوز کر دی۔ اُن
کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں سے لے کر بڑے بڑے مسائل کے لیے
خود کو وقف کر دیا اسی حوالے سے میرے شوہر سید مہدی حسن
نقوی“ بھی میرے ہمدم رہے“۔(۴۳)

ایک اور جگہ معظمہ نقوی لکھتے ہوئے

”بچوں کی تعلیم کے حوالے سے میں بہت حساس ہوں ہمیشہ بچوں کو
خود پڑھایا اور ان کے اندر ادب کا لگاؤ پیدا کیا“۔(۴۴)

معظمہ نقوی کا اصل نام سید معظمہ نقوی ہے اور زمانہ طالب عملی ”معظمہ نقوی“ کے نام سے لکھتا ہے انکی ابائی شہر ڈی جی خان / ڈیرہ غازی خان ہے پیشہ کے لحاظ سے درس و تدریس سے منسلک رہی ہیں۔ معظمہ نقوی بتاتے ہوئے۔

”خوب صورت مکامات اور دلکش مناظر مجھے لکھنے کی تحریک دیتے
ہیں وہ ایسے مقامات پر خود کو خالق کائنات کے قریب محسوس کرتی
ہیں فطرت کی قریب انہیں روحانی مسرت اور توانائی جیسا کرتی
ہے“۔(۴۵)

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے

”سیر و سیاحت کے علاوہ مجھے موسیقی سے لگاؤ ہے غزلیں اور نظمیں
موسیقی مجھے / یعنی ہلکی پھلکی موسیقی مجھے بہت پسند ہے خاص طور پر
گلزار اور جاوید اختر کے لکھے گیت اور غزلیں پسند ہیں“۔(۴۶)

معظمہ نقوی لکھتے ہوئے

"ہم میاں بیوی نے زندگی کے دکھ اور مشکلات اکھٹے جھیلی ہیں اور خوشیاں بھی ایک دوجے کے سنگ بائیں ہیں بچوں کی صحت اور روزگار کے حوالے سے اگرچہ کافی مشکلات کا سامنا کیا مگر ہمت نہ ہاری ہمیشہ اُمید کا دامن تھامے رکھا اور آگے بڑھنے میں لگے رہے یہ سفر رہی جاری ہے"۔(۴۷)

معظمہ نقوی اچھی کارکردگی پر وظائف لیتی رہی ہے معظمہ نقیو نے کالج کے زمانے میں کئی العامات اور سرٹیفکٹس حاصل کیے ہیں اضلاعی مضمون نوہی کے مقابلے میں کالج کے دور میں دوسری پوزیشن حاصل کی بطور اشار ہی بہترین کارکردگی پر شیلڈز اور اعزازت حاصل کیے معظمہ نقوی ایک سادہ اور بے لوث انسان ہیں وہ اپنے پُرانے دوستوں فیملی اور بھائیوں کے درمیان خوش رہتی ہیں معظمہ نقوی کو سارے رشتے بہت عزیز ہیں والدہ سے بہت لگاؤ ہے کیونکہ ان کی والدہ نے تمام بچوں کے لیے بہت ضرباتیں دی۔ معظمہ نقوی "نظم "لکھتے ہوئے۔

"تم" اس دُنیا میں
"تم" میری بھٹکتی ہوئی
زندگی۔۔۔۔ اور لاحاصل،
خواہشوں کا مکمل ایڈریس ہو!(معظمہ نقوی)

مطبوعات

۱۔ کف دست (کف دست میر تقی میر سے معظمہ نقوی تک کا انتخاب)

۲۔ موادنامہ (میر انیس سے معظمہ نقوی کا انتخاب)

۳۔ نوائے نقوی (نوائے نقوی نثری تخلیقات ہے)

نوائے نقوی تصنیف ہے معظمہ نقوی کی جب کہ انتخاب نہیں

۴۔ آخری بارش (یہ آپ کی منظوم نظم کا مجموعہ ہے)

منظومات:۔

معظمہ نقوی بتاتے ہوئے کہ آخری بارش کے عنوان سے میری کتاب آئی ہے اُس میں 72 یا 73 نظمیں ہے

۔جو کہ نظموں کا مجموعہ ہے۔

اعزازات:۔

تعریفی اسادو اعزازات 2019ء تا 2023ء کی تفصیل

۱۔ سچ ٹائمز گروپ ملتا نکی جانب سے 2019ء میں پسند اعزاز سے نوازا گیا۔

۲۔ پسند اعزاز 2020ء میں پھر نوازا گیا

۳۔ برم غالب انٹر نیشنل کی جانب سے پسند امتیاز علی و ادبی خدمات پر نواز گیا۔

۴۔ ادبی قافلہ انٹر نیشنل واٹس ایپ گروپ کی جانب سے ایوارڈ برائے ادبی خدمات

۵۔ انٹر نیشنل رائٹرز فورم اسلام آباد اعزازی سند برائے ادبی خدمات کتاب ''کف دست'' پہ

۶۔ فروغ ادب انٹرنیشنل واٹس ایپ گروپ کی جانب سے اعزازی سند ''مشاعرے میں شرکت پہ''

۷۔ حصیار ادب انٹرنیشنل کی جانب سے عالمی مشاعرے میں شرکت پہ اعزازی شیلڈ

۸۔ عالمی سند اعزاز برائے ادب خدمات 2021ء ادبی قافلہ انٹرنیشنل

۹۔ فیضان رومی اکیڈمی کی جانب سے سند اعزاز

۱۰۔ بزم شمسی رجسٹرڈ پاکستان کی جانب سے سند اعزاز برائے علمی و ادبی خدمات

۱۱۔ بزم شمسی رجسرڈ پاکستان کی جانب سے اعتراف فن ایوارڈ کتاب ''مودت نامہ''

۱۲۔ حسن۔ کارکردگی ایوارڈ کتاب اوج ڈائجسٹ پاکستان

۱۳۔ اعزازی شلڈ کتاب ''مودت نامہ' ادب سماج انسانیت کی جانب سے۔

۱۴۔ تزیئی ورکشاپ انٹرنیشنل رائٹرز اعزازی سند

۱۵۔ فروغ ادب یہ انٹرنیشنل کی جانب سے زوم ایپ مشاعرے میں شرکت پہ سند اعزاز

۱۶۔ حصارادب انٹرنیشنل کی جانب سے نعتیہ مشاعرے میں شرکت پہ سند اعزاز

۱۷۔ بزم رفیق سند اعزاز برائے ادبی خدمات

۱۸۔ عاشق حسن خان میموریل کی جانب سے اعزازی سند کتاب ''مودت نامہ پہ

۱۹۔ نعتیہ مشاعرہ میں مہمان خصوصی شرکت پر سند اعزاز قائم خانی میڈیا گروپ کی جاب سے

۲۰۔ سردارادبی ایوارڈ کف دست و مودت نامہ پہ!

۲۱۔ بھیل انٹرنیشنل ادبی ایوارڈ۔

۲۲۔ الوکیل کتاب ایوارڈ۔۔۔ مودت نامہ پہ

۲۳۔ افکار حامی لائبریری سند اعزاز "مودت نامہ"

۲۴۔ بزم لطیف رجسٹر کی جانب سے عالمی مشاعرے میں شرکت پہ سند اعزاز۔

۲۵۔ ارفعان ادب کتب ایوارڈ 2022ء مودت نامہ

۲۶۔ آل پاکستان علامہ اقبال ایوارڈ

۲۷۔ مولانا الطاف حسین حامی ایوارڈ

۲۸۔ بزم شمسی رجسٹرڈ کی جانب سے سند امتیاز 2022 ادبی و علمی خدمات۔

۲۹۔ مارمیر انٹرنیشنل تمغہ ادب گولڈ میڈل ایوارڈ

۳۰۔ قائداعظیم محمد علی جناح ایوارڈ

۳۱۔ نوائے نقوی پہ بھیل انٹرنیشنل کی جانب سے کاپر میڈل ایوارڈ

۳۲۔ الوکیل کتاب 2023 ایوارڈ

۳۳۔ ایف۔ جے لائٹرر فورم گولڈ میڈل ایوارڈ

۳۴۔ نور احمد غازی ایوارڈ

۳۵۔ پاکستان کا سب سے بڑا سول محمد علی فیڈریشن ایوارڈ

۳۶۔ قومی امن کمیٹی برائے لس المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان کی جانب سے علم وادب امحافتی شعبہ میں بہترین کارکردگی پر تعریفیں / تعریفیں سرٹیفیکٹ سے نوازا گیا۔

۲۷۔ بزم سرخلیل۔ ادب لاہور کی جانب سے گولڈ میڈل ایوارڈ سے نوازگیا۔

(سلسلہ جاری ہے۔)

حوالہ جات

۱۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۳۲۳ء۔

۲۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۲۳ء۔

۳۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، پاکستان میں غالب شناسی'' بلیکن بکس، ملتان، ۲۰۲۳ء ص (۱۴)

۴۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۲۳ء۔

۵۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۲۳ء۔

۶۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۲۳ء۔

۷۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۸ مئی ۲۰۲۳ء۔

۸۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۹۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۰۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۱۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈیرہ غازی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۲۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈی۔ جی۔ خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۳۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈی۔ جی۔ خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۴۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈی۔ جی۔ خان، ۲۰ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۵۔ شکیل بنامی، ڈاکٹر ''پاکستان میں غالب مسنانی''لیکن بکس ملتان، ۲۰۱۴ء ص (۱۴)۔

۱۶۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈی۔ جی۔ خان، ۲۰ مئی ۲۰۲۳ء۔

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات، ڈی۔جی۔خان، ۲۳ مئی ۲۰۲۳ء۔

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ راقمہ کا ڈاکٹر شکیل پتافی سے انٹرویو، احوال ملازمت بمقام آبائی کوٹ مٹھن، ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء۔

۳۲۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگاری کی ملاقات، ڈی۔جی۔خان، ۲۳ مئی ۲۰۲۳۔

۳۳۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگاری کی ملاقات، ڈی۔جی۔خان، ۲۳ مئی ۲۰۲۳۔

۳۴۔ انٹرویو عتیق الرحمٰن، راقمہ شخصیت و کردار گورنمنٹ پورسٹ گریجویٹ کالج، راجن پور ۱۲۶کتوبر ۲۰۲۱ء

۳۵۔ عتیق الرحمٰن سے انٹرویون، بمقام پورسٹ گریجویٹ کالج راجن پور، راجن پور، ۱۲۶کتوبر ۲۰۲۱ء۔

۳۶۔ راقمہ کاسمیہ شاہین سے انٹرویو بمقام آبائی گھر کوٹ مٹھن، ۱۳۰کتوبر ۲۰۲۱ء

۳۷۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات ڈی جی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات ڈی جی خان، ۱۹ مئی ۲۰۲۳ء۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ معظمہ نقوی سے مقالہ نگار کی ملاقات ڈی جی خان، ۲۳ مئی ۲۰۲۳ء۔

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً

باب دوم:

اردو ادب میں شعری انتخاب کی مختصر روایت

اردو ادب کی تاریخ میں شاعری اور نثر کی روایت کی اپنی اہمیت ہے۔ اردو شاعری کا آغاز سعد سلمان لاہوری اور امیر خسرو سے ہوا تو اسی وقت سے اردو شاعری کی روایت کا آغاز ہو گیا تھا۔ جہاں تک شاعری کے انتخابات کی بات ہے تو اس کا آغاز تذکروں میں چنیدہ شاعروں کے چنیدہ کلام سے ہوتا ہے۔ اردو ادب میں شعری انتخاب کی روایت پر بات کرنے سے پہلے لفظ "انتخاب" کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ انتخاب لفظ کے متعلق فرہنگِ آصفیہ میں یوں لکھا ہُوا ہے:

> "**اِنتخاب:** (ع، اسم مذکر)، خلاصہ، لُب لُباب، چنا ہوا، چیدہ، نچوڑ"(۱)

اس طرح انتخاب کے لغوی معنی چننا، چناو اور منتخب کرنا کے ہیں۔ انتخاب کا لفظ ہماری روزمرہ زندگی میں بھی عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے۔ جب بھی ہم بازار سے کچھ خریدنے جاتے ہیں تو وہاں قسم ہا قسم کی اشیا موجود ہوتی ہیں مگر ہم اپنی پسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی مرضی کی چیز خریدتے ہیں تو ہم اس وقت انتخاب کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح الیکشن کے لیے بھی انتخاب یا چُناو کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ انتخاب کے عمل سے پاکستان اور بھارت کے علاوہ دیگر جمہوری ممالک میں حکومتیں قائم ہوتی ہیں۔

ادب میں انتخاب کے اصطلاحی معانی کی بات کی جائے تو اصنافِ نظم و نثر میں سے اپنی پسند کے مطابق کچھ بھی منتخب کرنا انتخاب کہلاتا ہے۔ انتخاب کی ایک شکل بیاض کی صورت میں بھی ملتی ہے کہ جب کوئی اپنی ذاتی ڈائری میں شعراء کا کلام یا ان کے افسانے، اقوال وغیرہ چُن چُن کے لکھتا ہے تو گویا وہ بھی ایک انتخاب ہی بن جاتا ہے۔ اس وقت خالصتاً انتخاب کی بات کریں تو جب کوئی شخص اپنی پسند کے مطابق کچھ شاعری منتخب کرے اور پھر انھیں کتابی

شکل میں شائع بھی کر دے تو گویا وہ کتاب اس کا شعری انتخاب ہو گی۔ اسی طرح افسانوں، ناولوں اور دیگر اصناف کے افسانوی و غیر افسانوی انتخاب بھی ہو سکتے ہیں۔

اردو ادب میں انتخاب کی روایت سو سوا سو سال پرانی ہے مگر انتخاب کی روایت دراصل بیاض نویسی اور تذکرہ نگاری ہی کی ایک شکل ہے جو تذکروں اور بیاض سے الگ ہو کر انتخاب کی شکل اختیار کر گئی۔ شروع میں تذکرہ نگاری کی روایت ملتی ہے جو ایک عرصہ تک بہت مقبول اور معتبر رہی۔ تذکرہ کو بھی بیاض کی ترقی یافتہ شکل کہا جاتا ہے۔ مگر تذکرہ بالکل الگ چیز ہے جس میں شاعروں کی منتخب شاعری کے علاوہ مختصر یا تفصیلی احوال و آثار بھی شامل ہوتے تھے ۔تذکرہ نگاری کے بارے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''اگر تذکروں کی عام روش کو مدِ نظر رکھ کر تذکرہ نگاری کے مفہوم یا اس کی تعریف کا تعین کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ بیاض کی ترقی یافتہ صورت کا نام تذکرہ ہے بیاض میں صرف اشعار کا انتخاب ہوتا تھا۔ جب کہ اس میں اشعار کے ساتھ صاحبانِ اشعار کے نام اور تخلص کا اضافہ کر دیا گیا تو اس کا نام تذکرہ ہو گیا۔''(۲)

اردو ادب کو اپنی جگہ بنانے میں خاصا وقت لگا، اردو سے پہلے فارسی ادب کا چرچا تھا، بہت سی اصناف و روایات فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی ہیں۔ تذکرہ نگاری کی روایت بھی اردو میں پہلے سے موجود تھی اور اردو سے پہلے فارسی شعرا کے تذکرے لکھے جارہے تھے جیسے ایک معروف تذکرہ لباب الالباب ہے جس کے مصنف محمد عوفی ہیں اور یہ تذکرہ تیرھویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں لکھا گیا۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس وقت اردو زبان ابھی اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی۔ اردو شاعری کو قبولِ عام کی سند اٹھارویں صدی میں ولی دکنی کے بعد ملی اور یہ

اسے سراہا جانے لگا۔ اس لیے اردو شاعری کا سنہری دور بھی ولی دکنی کے بعد ہی شروع ہوا اور میر و سودا نے اردو شاعری کو عروج بخشا۔ اردو شعراء کا پہلا تذکرہ میر تقی میر نے لکھا ہے جس کا نام نکات الشعراء ہے اور یہ تذکرہ ہے تو اردو شاعروں کا مگر فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ خدائے سخن میر تقی میر اردو کے عظیم شاعر ہیں۔ نثر میں ان کا یہ تذکرہ خاصا اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرہ میں کل 104 شعراء کا ذکر ہے۔ 32 شعراء دکنی ہیں جبکہ باقی سب شمالی ہند کے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا انتخاب ہے۔

اردو زبان میں لکھے جانے والے تذکروں کی بات کی جائے تو مرزا علی لطف کا لکھا ہوا تذکرہ گلشنِ ہند اردو زبان میں پہلا تذکرہ ہے جس کا سنِ تصنیف 1801ء ہے۔ اس تذکرے کے بعد اردو شاعروں کے اردو زبان میں لکھے گئے تذکروں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اردو شعراء کے تذکرے لکھے جاتے رہے۔

چند اہم اور مشہور و معروف فارسی اردو تذکروں کے نام ملاحظہ فرمائیں:

تذکرہ کا نام	مصنف کا نام	سنِ تصنیف
نکات الشعراء (فارسی)	میر تقی میرؔ	1165ھ/1752ع
گلشنِ گفتار (فارسی)	حمید اورنگ آبادی	1165ھ/1752ع
تحفۃ الشعراء (فارسی)	افضل بیگ قاقشال	1165ھ/1752ع
مخزنِ نکات (فارسی)	قیام الدین قائم	1168ھ/1754-55ع
چمنستانِ شعراء (فارسی)	لچھمی نرائن شفیق	1175-76ھ/1761-63ع
طبقات الشعراء (فارسی)	قدرت اللہ شوق	1188-90ھ/1774-76ع
تذکرہء شعرائے اردو (فارسی)	میر حسن	1191ھ/1777-78ع
گلِ عجائب (فارسی)	اسد علی خاں تمنا	1192-94ھ/1778-80ع
تذکرہء ہندی گویاں (فارسی)	غلام ہمدانی مصحفی	1209ھ/1794-95ع
عیارالشعراء (فارسی)	خوب چند ذکاء	1212-26ھ/1798-1812ع

گلشنِ ہند (اردو)	مرزا علی لطف	1215ھ/1800-1801ع
تذکرہء حیدری (اردو)	حیدر بخش حیدری	1217ھ/1802-03ع
دیوانِ جہاں (اردو)	بینی نرائن جہاں	1227ھ/1812-13ع
انتخابِ دواوین (اردو)	امام بخش صہبائی	1258-60ھ/1842-44ع
گلدستہء نازنیناں (اردو)	کریم الدین	1260-61ھ/1844-45ع
طبقات الشعرائے ہند (اردو)	کریم الدین و فیلن صاحب	1263ھ/1844-45ع
مخزنِ شعراء (اردو)	نورالدین فائق	1268ھ/1851-52ع
سخنِ شعراء (اردو)	عبدالغفور خاں نساخ	1281ھ/1864-65ع
چمن انداز (اردو)	درگاپرشاد نادر	1294ھ/1877ع
آبِ حیات (اردو)	محمد حسین آزاد	1297ھ/1880ع

ان کے علاوہ بھی بیسیوں فارسی اردو تذکرے ہیں جو 1880ء سے پہلے لکھے گئے تھے۔

آخری معتبر تذکرہ محمد حسین آزاد کا سمجھا جاتا ہے جس کا نام آبِ حیات ہے اور اس کا سنِ تصنیف 1880ء ہے۔ آبِ حیات میں بھی شعراء کی زندگیوں کے واقعات و حالات، ان کی شاعری پر تبصرہ اور انتخابِ کلام شامل ہے۔ انتخابِ کلام سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ انتخاب کی ابتدائی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ آبِ حیات میں مصحفی کی غزل سے منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دن جوانی کے گئے موسمِ پیری آیا

آبرو خواب ہے اب وقتِ حقیری آیا

سبقِ نالہ تو بلبل نے پڑھا مجھ سے ولے

نہ اُسے قاعدہء رازہ صفیری آیا

اُس کے در پر میں گیا سوانگ بنائے تو کہا

چل بے چل دور ہو کیا لے کے فقیری آیا

اے سلیماں ہو مبارک تجھے یہ شاہی و تخت

تیرا آصف بھی بسامانِ وزیری آیا

چشمِ کم سے نہ نظر مصحفیِ خستہ پہ کر

وہ اگر آیا تو مجلس میں نظیری آیا(۳)

محمد حسین آزاد کے تذکرہ آبِ حیات کو عام طور پر تذکرہ نگارہ کی آخری کڑی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد تذکرہ نگاری کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ایک اور چیز تاریخ و تنقید کی صورت میں سامنے آتی ہے جس میں مصنفین و مؤرخین اردو ادب کی تاریخ مگاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اردو ادب کی تاریخ لکھنے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس تاریخ نگاری میں لاشعوری طور پر شعراء کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ منتخب کلام بھی شامل کیا جاتا رہا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بھی ایک طرح کا انتخاب ہی ہے جس کی روایت اور رواج نے بعد میں جڑ پکڑی اور یہ رواج عام ہوتا گیا۔

ادبی تاریخ نگاری سے پہلے تاریخ نگاری پہ مختصر بات کرنا ضروری ہے۔ تاریخ نویسی ایک اہم اور ذمہ داری کا کام ہے جسے ہر کوئی نہیں لکھ سکتا۔ تاریخ کا مطلب گزشتہ حالات و واقعات کا بیان ہے۔ آج کے واقعات اور حالات کل کی تاریخ ہیں۔ لیکن تاریخ نگاری کے کچھ اہم اصول ہیں۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں کہ

''تاریخ نویسی میں تین عناصر کی اہمیت ہے۔ اول واقعات، دوم ان واقعات کو جانچنے پرکھنے کی شہادت اور سوم ان واقعات کے بارے میں مؤرخ کی تنقید،

تفسیر یا تاویل۔ کیونکہ محض واقعات کو سن وار بیان کرنے سے تاریخ کی

اہمیت واضح نہیں ہوتی اور نہ ہی تاریخی شعور پیدا ہوتا ہے۔(۴)"

مؤرخ اگر اچھا محقق، نقاد، مفسر اور تجزیہ نگار نہ ہو تو وہ تاریخ بھی اچھی نہیں لکھ سکتا اس لیے مؤرخ میں ان خصوصیات کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اچھا مؤرخ بغیر ثبوت کے آگے نہیں بڑھتا اور وہ اپنے ماخذ اور حوالے بے حد پختہ لاتا ہے اور ان کی جانچ پڑتال اور پرکھ کے بعد لکھتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ نگاری کی روایت میں سب سے پہلی کتاب جو اردو ادب کی تاریخ کے متعلق لکھی گئی وہ رام بابو سکسینہ کی "تاریخِ ادب اردو(A History of urdu literature)" ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ روایتی تذکروں کی طرز سے ہٹ کر لکھی گئی ہے اور تاریخ نگاری کی ذیل میں آتی ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں لکھی گئی اور اس کا سنِ تصنیف 1927ء ہے۔ رام بابو سکسینہ کی کتاب کا اردو ترجمہ 1929ء میں مرزا محمد عسکری نے کیا۔ دوسری اردو کی تاریخی کتاب بھی انگریزی زبان میں لکھی گئی جو گراہم بیلی نے انگریزی میں A History of Urdu Literature کے عنوان سے لکھی۔ 1929ء میں مکمل ہوئی مگر 1931ء میں لندن میں شائع ہوئی۔ ان کتابوں میں جن شعراء و ادبا کے حالات و واقعات شامل کیے گئے ہیں ان کے نثری و شعری نمونے بھی شامل ہیں جو ایک طرح کا انتخاب ہی ہیں کیونکہ کسی بھی شاعر یا ادیب کا مکمل کام تاریخ کی کتاب میں شامل نہیں کیا جا سکتا صرف منتخب اشیاء ہی شامل ہو سکتی ہیں اور وہ بھی انتخاب ہی کی ایک شکل ہے۔ ان کتابوں کے بعد بھی جتنی ادبی تاریخیں لکھی گئیں ان سب میں بھی شعراء کے کلام سے انتخاب شامل کیا جاتا رہا ہے جو کہ انتخاب ہی کی ایک شکل ہے۔ ذیل میں چند اہم ادبی تاریخوں کے نام ملاحظہ فرمائیں:

کتاب کا نام	مصنف کا نام
تاریخِ ادب اردو (چار جلدیں)	ڈاکٹر جمیل جالبی
تاریخِ ادب اردو	نور الحسن نقوی
مختصر تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر سید اعجاز حسین
اردو ادب کی تاریخ	ڈاکٹر تبسم کاشمیری
اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر سلیم اختر
اردو ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر انور سدید
تاریخِ ادب اردو	سیدہ جعفر
اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	سید احتشام حسین
تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند	سید فیاض حسین
مختصر تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
تاریخِ ادب اردو (چار جلدیں)	وہاب اشرفی

مندرجہ بالا تمام تاریخیں اردو ادب کی معروف تاریخی کتب ہیں جن کی ادبی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ مگر ان کتابوں کو جب پڑھتے ہیں تو ان میں بھی شعراء کے کلام کے معاملے میں ہمیں انتخاب کی ایک صورت نظر آئے گی۔ بالکل اسی طرح جیسے تذکروں میں شعراء کا منتخب کلام ہوتا تھا اسی طرح ان ادبی تاریخی کتب میں بھی منتخب کلام ملتا ہے۔ انتخاب کا انحصار بھی ایک طرح سے مؤرخ کی پسند و ناپسند سے وابستہ ہے۔ مثلاً جمیل جالبی کی کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' چار جلدوں پر مشتمل ہے مگر اس میں مذکور شعراء کے سارے کلام کو شامل کرنا ناممکن تھا اس لیے جالبیؔ نے اپنی مرضی سے شعراء کے کلام سے انتخاب شامل کر دیا ہے۔ باقی کی تاریخیں ابھی تک جمیل جالبی کی تاریخ سے زیادہ تفصیلی نہیں ہیں اس لیے ان تاریخوں میں تو کلام کے انتخاب کی صورت مختصر ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی تاریخ جس کا عنوان مختصر ترین تاریخ کے ساتھ نمایاں ہے اس میں تو ساری صورت ہی انتخاب کی نظر آتی ہے انھوں نے

صرف اہم اور منتخب شعراء و ادباء کا ذکر کیا ہے حالانکہ تاریخ کا تعلق پسند ناپسند سے نہیں ہوتا بلکہ تاریخی حقائق سے ہوتا ہے۔ لیکن تاریخوں کے لکھنے والے بھی کہیں نہ کہیں انتخاب کی شکل اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اردو ادب میں تذکرہ، بیاض اور تاریخ نویسی سے الگ انتخاب کی روایت نے بھی جنم لیا۔ انتخاب بھی بیاض، تذکرہ اور تاریخ سے ملتی جلتی شے ہے مگر انتخاب کا تعلق خالصتاً پسند اور ناپسند سے ہے۔ انتخاب میں مؤلف و مرتب اپنی پسند کی شے کا انتخاب کرتا ہے۔ مثلاً اگر وہ شاعری کا انتخاب کرتا ہے تو اس ی اپنی صوابدید ہے کہ سے کیسی شاعری پسند ہے اور وہ کس طرح کی شاعری کا انتخاب کرتا ہے۔ اردو ادب میں اب انتخاب کا رواج عام ہے۔ آئے روز افسانوں اور شاعری کے انتخابات شائع ہوتے ہیں۔ انتخاب کی روایت اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ کیسے کیسے انتخابات شائع کروائے گئے ہیں۔ ویسے تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انتخابات اب تک اردو شاعری کے چھپ چکے ہوں گے۔ انفرادی، مقامی، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتخابات شائع ہوئے۔ بعض اداروں نے کاروباری مقاصد کیلیے اور بعض اداروں نے حکومتی سرپرستی میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے بھی انتخابات شائع کیے۔ تمام اقسام کے انتخابات کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ انتخابات کی مختلف اقسام ہیں۔

۱۔ ایسے انتخابات جن میں کسی ایک شاعر کے کل کلام سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے الگ کتابی شکل میں جمع کرنا

۲۔ مختلف شعراء کے کلام سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے کتابی شکل میں جمع کرنا۔

۳۔ کسی خاص علاقے، شہر یا خطے سے شعراء کے کلام سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے کتابی شکل میں جمع کرنا۔

۴۔ کسی خاص عہد کے پسندیدہ شعراء کے کلام سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے کتابی شکل میں جمع کرنا۔

انتخابات کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ انتخابات شائع کرتے وقت مرتعین نے اپنی مرضی سے ترتیب و تدوین کا کام کِیا ہے۔ مثلاً بعض انتخابات میں طویل مقدمے اور مضامین ہیں، بعض میں شعراءادبا کی آرا شامل کی ہیں۔ بعض انتخابات کی ترتیبِ کلام الف، بائی ترتیب سے دیوان کی طرز پر ہے جبکہ بعض کی کوئی خاص ترتیب نہیں۔ اسی طرح جو انتخابات مختلف شعراء کے کلام پر مشتمل ہے ان میں بھی شاعروں کے نام کے حساب سے الف بائی ترتیب سے کلام شامل ہوتا ہے اور بعض میں کوئی الف بائی ترتیب نہیں ہوتی ہے۔ کچھ انتخابات ایسے بھی ہیں جن میں شعراء کا انتہائی مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے اور بعض میں صرف نام شامل ہے۔ کچھ انتخابات ایسے بھی ہیں کہ جن میں شعراء کا مناسب تعارف بھی دیا گیا ہے۔ ان انتخابات سے یہ سہولت قاری کو میسر آجاتی ہے کہ وہ باآسانی کسی شاعر کا بہترین کلام پڑھ سکتا ہے مگر یہ کلام کسی اور کی پسند و ناپسند کی بنا پر مرتب کیا ہوا ہوتا ہے۔

یوں تو اردو ادب کے ان بے شمار انتخابات مارکیٹ میں دستیاب ہیں مگر ذیل میں چند ایک کا مختصر ذکر ملاحظہ فرمائی:

انتخابِ کلامِ میرؔ: مولوی عبدالحق نے میر تقی میر کے کلام سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے مقدمے کے ساتھ ”انتخابِ کلامِ میر کے نام سے شائع کِیا تھا۔ اس انتخاب کو ادبی اعتبار سے خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اس انتخاب میں شامل کلام کو میر کے بقیہ کلام کی نسبت زیادہ پذیرائی ملی۔ مولوی عبدالحق کا مقدمہ بھی خاصا مقبول ہے۔ مقدمہ میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> ”میر تقی میر سرتاج شعرائے اردو ہیں ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام فارسی زبان میں۔ اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میر کا نام اس فہرست میں ضرور داخل کرنا ہوگا۔(۵)“

انتخابِ داغ: یہ انتخاب بھی مولوی عبد الحق کا ہے جس میں کلامِ داغ دہلوی سے اپنی پسند کا کلام منتخب کر کے مرتب کِیا گیا ہے۔ اس میں بھی مولوی عبد الحق کی پسند کو خاصا دخل رہا اور یہ بھی ادبی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔

انتخاب میر آز ناصر کاظمی: ناصر کاظمی خود بھی اعلی پائے کے شاعر تھے مگر میر پسندی ان میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے انتخابِ میر کے نام سے انھوں نے بھی ایک انتخاب مرتب کِیا تھا جس میں میر کا کلام شامل ہے۔

میر تقی میر خدائے سخن ہیں ان کے کلام کا انتخاب کثرت سے کِیا جاتا رہا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر شعراء کے کلام کے انتخابات بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً کلامِ غالب، کلامِ آتش، کلامِ حسرت موہانی، کلامِ داغ دہلوی، کلامِ جگر و جوش وغیرہ سے انتخابات سامنے آتے رہے ہیں۔ سعد اللہ شاہ نے داغ دہلوی کے کلام سے ایک انتخاب شائع کِیا جس کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

انتخابِ کلامِ داغ: اس انتخاب کے مرتب سعد اللہ شاہ ہیں، کتاب کا پبلشنگ ادارہ خزینہ ء علم ادب ہے۔ اس انتخاب میں داغ دہلوی کے چاروں دواوین گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، مہتابِ داغ اور یادگارِ داغ سے غزلیات منتخب کر کے شامل کی گئی ہیں۔ کل 164 غزلیات انتخاب کا حصہ ہیں۔ یہ ایک معیاری انتخاب ہے۔ اس انتخاب سے نمونہ ء کلام:

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹا شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

دیکھا ہے بُت کدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

افشائے رازِ عشق میں گو ذِلّتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

بزمِ عدو میں صورتِ پروانہ دل مِرا
گو رشک سے جلا تِرے قربان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا(۶)

ایک اور طرح کے انتخابات جن میں مختلف دوسرے شعراء کا کلام منتخب کر کے شامل کِیا جاتا ہے۔ ایسے انتخابات کسی ایک شاعر کے نہیں بلکہ مختلف شعراء کے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ انتخابات بہت کڑے ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی شاعر کی غزل یا نظم کا انتخاب کرتے وقت مرتب اپنی پسند و ناپسند کو قاری کے سامنے رکھ رہا ہوتا ہے اور اسی کتاب سے قاری یہ اندازہ بھی لگاتا ہے کہ انتخاب کرنے والے کا مذاقِ سخن کیسا ہے یعنی وہ کس طرح کی شاعری کا دلدادہ ہے۔ ایسے انتخابات کے ناموں کے سلسلے میں بھی گونا گوں انداز ملتے ہیں، مثلاً ساحر لدھیانوی سے

بشیر بدر تک، میر انیس سے فرتاش سید تک، میر سے احمد فراز تک وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اپنی مرضی کے کسی لفظ، ترکیب یا مصرعے کو بھی عنوانِ انتخاب چُن لیا جاتا ہے، جیسے عکسِ جہاں، رنگِ سخن، بچھڑ جانے سے ڈرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ذیل میں اسی طرح کے ایک انتخاب کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

ساحر لدھیانوی سے بشیر بدر تک: یہ ایک مختصر انتخاب ہے جس میں بھارت کے شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔ اسکتاب کے مرتب سید امتیاز احمد ہیں۔ 2005ء میں یہ انتخاب لاہور سے ادارہ نستعلیق مطبوعات والوں نے شائع کیا ہے۔ اس میں غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، عرفان صدیقی، گلزار، اختر الایمان، عمیق حنفی، مجروح سلطان پوری، بانی، اسرار الحق مجاز، جاوید اختر، ندا فاضلی، کیفی اعظمی، مخدوم محی الدین، زبیر رضوی، معین احسن جذبی، شفیق فاطمہ شعری، فراق گورکھپوری، علی سردار جعفری اور بشیر بدر کا چنیدہ کلام اس انتخاب کا حصہ ہے۔ اس انتخاب کی ترتیب کی کوئی سمجھ نہیں آتی، نہ تو یہ ناموں کے حساب سے الف بائی ترتیب ہے اور نہ ہی تاریخِ پیدائش یا سینئر جونیئر ہونے کی بنا پر ہے۔ بس اس انتخاب کے مرتب کرنے والے نے اپنی ہی مرضی سے ترتیب لگادی ہے۔ اس انتخاب سے بشیر بدر کی غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو، کوئی شام گھر بھی رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملوگے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو

ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا، کوئی جائے گا

تمھیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو

مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں

جو کہا نہیں وہ سنا کرو، جو سنا نہیں وہ کہا کرو

یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیر کے پاس ہے

یہ تمھارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو(۷)

اسی طرح ایک انتخاب مظفر گڑھ سے حال ہی میں شائع ہوا ہے، اس انتخاب کا نام "عکسِ جہاں" ہے۔ اس میں مظفر گڑھ سے تعلق رکھنے والے شعراء کا کلام شامل کیا گیا ہے۔ غزلیں، نظمیں، قطعات وغیرہ اس انتخاب کا حصہ ہیں۔ یہ اور اس طرز کے انتخاب کسی ایک علاقے یا خطے کے شعراء سے مخصوص ہو جاتے ہیں اور اس علاقے یا خطے کے مذاقِ سخن کا پتہ ملتا ہے کہ وہاں کس طرز کے شعراء کلام تخلیق کر رہے ہیں۔ عکسِ جہاں کے مرتب فیض رسول قیصر ہیں، اس انتخاب میں شامل فیصل امام رضوی کی غزل کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں:

؎ کسی کی زلف، کسی کے لبوں کو چاہا تھا

فریب دیتی ہوئی صورتوں کو چاہا تھا

اُداس کرتے ہوئے راستوں نے پوچھا ہے

کہاں گئے ہیں وہ جن پتھروں کو چاہا تھا

خود اپنے حال پہ ہم دونوں ہنس پڑے فیصلؔ

کہ ہم نے اپنے سوا دوسروں کو چاہا تھا(8)

مختصر بات یہ ہے کہ اردو ادب میں اب انتخابات شائع کرنے کی روایت بے حد پختہ ہو چکی ہے۔ اس روایت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس وقت انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہت سارے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ادارے بھی اس سلسلے میں بہت اہم کام سر انجام دے رہے۔ بعض سرکاری ادارے حکومتی سرپرستی میں یہ کام کر رہے ہیں، جیسے نیشنل بک فاونڈیشن ایک ادارہ ہے جس کے زیرِ اہتمام رنگِ سخن کے نام سے انتخابات کی سیریز شائع ہوئی۔ اسی طرح اسی ادارے کے زیرِ اہتمام انتخابی کیلنڈرز بھی شائع ہوئے جس میں ہر تاریخ کے ساتھ کسی ایک شاعر کی غزل یا نظم بھی ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ دہلوی، سید احمد، "**فرہنگِ آصفیہ، جلد اول**"، دہلی: نیشنل اکادمی، گنج دریا، 1974ء، ص240

۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، 1972ء، ص11

۳۔ آزاد، محمد حسین آزاد، "آبِ حیات"، لکھنئو: اتر پردیش اردو اکیڈمی، 1998ء، ص315

۴۔ مبارک علی، ڈاکٹر، "اردو میں تاریخ نویسی"، مشمولہ: تاریخ شمارہ 32، تاریخ نویسی نمبر، جنوری 2007، ص108

۵۔ عبد الحق، مولوی، مرتب، "انتخابِ کلامِ میر"، علی گڑھ: مطبع مسلم یونیورسٹی، 1921ء، ص1

۶۔ سعد اللہ شاہ، مرتب، "انتخابِ کلامِ داغؔ"، لاہور: خزینہ ءعلم و ادب، 2001ء، ص51

۷۔ امتیاز احمد، سید، مرتب، "ساحر لدھیانوی سے بشیر بدر تک (انتخاب)"، لاہور: نستعلیق مطبوعات، 2005، ص103

۸۔ قیصر، فیض رسول، مرتب، "عکسِ جہاں (انتخاب)"، ملتان: سخن سرائے پبلی کیشنز، 2022ء، ص113

باب سوم:

”کفِ دست“ کی غزلیات کا جائزہ

”کفِ دست“ ایک انتخاب ہے جس میں معظمہ نقوی نے منتخب غزلیات اور نظمیں شامل کی ہیں۔ اس باب میں ”کفِ دست“ کی صرف غزلیات کا مختصر ترین جائزہ پیش کیا جائے گا۔ ”کفِ دست“ انتخاب کو میرؔ سے معظمہؔ تک ! کہا گیا ہے۔ کتاب میں کُل 59 غزلیات اور 15 نظمیں شامل ہیں۔ کچھ شعراء کی ایک غزل اور کچھ شعراء کی دو غزلیں شامل ہیں، کسی شاعر کی ایک نظم اور ایک غزل یا کسی کی صرف نظم شاملِ انتخاب ہے، اس کے علاوہ بعض غزلوں کے صرف منتخب اشعار شامل ہیں یعنی غزل کے اشعار کی تعداد شعراء کے دواوین یا مجموعہ جات میں مطبوعہ اشعار کی تعداد سے کم ہے۔ یہ کتاب اتنی زیادہ ضخیم بھی نہیں ہے، صفحات کی کل تعداد 96 ہے۔ ذیل میں غزلیات اور شعراء کی فہرست دیکھیں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کن شعراء کی غزلیات منتخب کی گئی ہیں:

نمبر شمار	شاعر کا نام	تعدادِ غزلیات شاملِ انتخاب	غزل کا پہلا مصرع
1	ڈاکٹر صابرہ شاہین	02	1۔ کیا کیا خواب تھے وابستہ اُس بیگانی آواز کے ساتھ 2۔ بیڑیاں توڑ کر نکل آئے
2	میر تقی میرؔ	01	عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
3	مرزا اسد اللہ غالبؔ	01	کل کے لیے کر آج نہ خِست شراب میں
4	حکیم مومن خاں مومنؔ	01	اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
5	بہادر شاہ ظفرؔ	01	لگتا نہیں ہے دل مرا اُجڑے دیار میں
6	حسرتؔ موہانی	01	بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
7	ناصرؔ کاظمی	02	1۔ میری زندگی ہے تُو 2۔ نیتِ شوق بھر نہ جائے کہیں

8	فیض احمد فیضؔ	01	کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب ہات میں تیرا ہات نہیں
9	قتیلؔ شفائی	02	1۔ وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے 2۔ رچی ہے رتجگوں کی چاندنی جن کی جبینوں میں
10	ابنِ انشاء	01	کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تِرا
11	احمد ندیم قاسمی	01	جب تِرا حکم ملا ترکِ محبت کر دی
12	سیف الدین سیف	01	مِری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے
13	احمد فرازؔ	02	1۔ کروں نہ یاد، مگر کس طرح بھلاوں اُسے 2۔ اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
14	محسن نقوی	01	اتنی مدت بعد ملے ہو
15	خالد شریف	01	اُسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اُس کا
16	بشیر بدر	01	نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی
17	پروین شاکر	01	کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا تِرا خیال بھی
18	امجد اسلام امجد	01	عشق ایسا عجیب دریا ہے
19	افتخار عارف	01	تھکن تو اگلے سفر کے لیے بہانہ تھا
20	ساغر صدیقی	01	ہے دعا یاد مگر حرفِ دعا یاد نہیں
21	مصطفی زیدی	01	چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ
22	ڈاکٹر حسن رضوی	01	کبھی کتابوں میں پھول رکھنا کبھی درختوں پہ نام لکھنا
23	صابر ظفر	01	نہ تیرا خدا کوئی اور ہے نہ میرا خدا کوئی اور ہے
24	سعید واثق	01	خواہش ہے کہ اس طور سے جیون کو گزاروں
25	عدیم ہاشمی	01	فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
26	شاہدہ حسن	01	یہ جینے کی کیسی سزا دی گئی
27	ناصر عدیل	01	مجھ کو جس شخص سے محبت ہے
28	نجیب احمد	01	کیا کہیں کیسے بسر ہجر کی راتیں کی ہیں
29	جمال احسانی	01	ملنا نہیں تو یاد اُسے کرنا بھی چھوڑ دے
30	اعتبار ساجد	01	تمھیں جب کبھی ملیں فرصتیں، مِرے دل کا بوجھ اتار دو

31	علی ارمان	01	اے سرد سرد رات مجھے چاند چاہیے
32	سلیم کوثر	01	میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
33	احمد ضیاء	01	ہم یونہی رات سے یہ دعا کرتے تھے
34	باقی احمد پوری	01	ہم اپنے اختیار کی حد سے گزر گئے
35	ناصر زیدی	01	سامنے تُو ہو تو کدھر دیکھوں
36	کشور ناہید	01	وہ اجنبی تھا پھر بھی لگا آشنا مجھے
37	حسن نثار	01	سوچتا رہتا ہوں کوئی معجزہ ہو جائے گا
38	سلیم احمد	01	جا کے پھر لوٹ جو آئے وہ زمانہ کیسا
39	عبید اللہ علیم	01	بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص
40	نذیر احمد عارف صدیقی	01	دشت و دریا پہ بادل برستے رہے
41	نجم الثاقب	01	کسی کے دل میں تمھاری فقط کمی ہی تو ہے
42	فائزہ ندیم فزا	01	یہ جو دوریوں کے ہیں فاصلے انھیں مختصر نہیں کر سکے
43	اختر ملک	01	ہم نازک نازک دل والے
44	خاوری	01	کہیں تیرے پیار کا تذکرہ، کہیں تیرے ہجر کا باب ہے
45	محبوب ربانی	01	وہی آنکھیں، وہی چہرہ، وہی پیکر دیکھوں
46	ارشد ملک	01	کسی طرح سے بھی جیون گزارنا ہو گا
47	سرور ارمان	01	مجھے حیات سے بے زار کر نہ جائے کہیں
48	یعقوب انجم	01	ہم یوسفِ زماں تھے ابھی کل کی بات ہے
49	حسن عباسی	01	گڑگڑا کر رات دن مانگی دعا
50	منان قدیر منان	01	جو لوگ چلے جاتے ہیں واپس نہیں آتے
51	سعد اللہ شاہ	01	تم نے یہ کیسا رابطہ رکھا
52	وصی شاہ	01	دیارِ غیر میں کیسے تجھے صدا دیتے
53	فرحت عباس شاہ	01	خوشیوں کی بارات ادھوری چھوڑ گئے ہو
54	جاوید گل گشکوری	01	کبھی جو اپنا حبیب ٹھہرا وہ چاند چہرہ
55	فائق ترابی	01	جب کوئی بھی کمی نہیں ہوتی

ساحر لدھیانوی کی نظم ''سلامِ حسرت قبول کر لو'' کے اوپر غزل لکھ دیا گیا ہے مگر یہ نظم ہے۔ ''کفِ دست''

کو معظمہ نقوی نے بڑے چاؤ سے مرتب کیا ہے اور وہ اسے راتوں کے پچھلے پہر تک جاگنے والوں کے لیے تحفہ کے طور

پر پیش کرنے کا لگاؤ رکھتی ہیں، خود ہی کہتی ہیں:

> ''میری کفِ دست آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میر ؔ سے معظمہ ؔتک کا یہ سفر
> طے کرتے وقت میں نے اس بات کو مدِ نظر رکھا ہے کہ گلستانِ ادب سے
> ایسے ایسے پھول چن کر پیش کروں جو سب کو پسند ہوں۔۔۔۔ راتوں کے
> پچھلے پہر تک آنکھوں میں رت جگوں کی چاندنی لیے حسرتوں کے دیار میں گلی
> گلی بھٹکنے کا شغل کس قدر راحت رساں ہوتا ہے۔۔۔ اگر آپ بھی راتوں کے
> پچھلے پہر تک جاگ سکتے ہیں تو پھر آیئے یوں ہی ایک دوسرے کے ہاتھوں
> میں ہاتھ ڈالے محبتوں کے سفر کو چلتے ہیں۔(۱)''

کفِ دست کے صفحہ فلیپ پر خود معظمہ نقوی کی غزل ہے۔ یہ غزل کُل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع

مقطع کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس غزل میں خوبصورتی سے شاعرہ نے اپنے رُومانی جذبات اور ہجر و وصال کا ذکر کیا ہے۔

غزل میں روانی و سلاست بدرجہ اتم موجود ہے او غزل تشبیہات و استعارات سے مزین ہے۔ غزل ملاحظہ فرمائیں:

تِری آنکھ کا جب اشارا مِلا — مِری کشتیوں کو کنارا ملا

وہ اِک شخص ہم سے جدا ہو گیا — وہ اِک شخص سب سے جو پیارا ملا

مِری روح تک وہ اتر سا گیا — مِری زندگی کو سہارا ملا

مِری ہر خوشی اس پہ قربان ہے — خوشی یہ مجھے غم تمھارا ملا

ملن کے سبھی راستے بند ہیں   وہ نقوی! مجھے نہ دوبارا ملا(۲)

کتاب کا آغاز احسان دانش کی نظم ''دیہات کی شام'' سے ہوتا ہے، اس کے بعد معظمہ نقوی نے اپنی ہی نظم ''تم'' شامل کی ہے۔ ان دو نظموں کے بعد ڈاکٹر صابرہ شاہین کی دو غزلیں شامل ہیں۔ پہلی غزل پانچ جبکہ دوسری غزل سات اشعار کی ہے۔ صابرہ شاہین کی پہلی غزل کا جائزہ لیں تو غزل کی روایت کی پاسداری کرتی ہوئی یہ غزل بہت سی خوبیوں کے ساتھ دل کو موہ لیتی ہے۔ غزل ویسے بھی درد بھری آواز کا مترادف ہے اس لیے جب تک غزل میں سوز و ساز نہ تب تک غزل میں جان نہیں آتی۔ صابرہ شاہین نے اپنی غزل میں غزل ہی کا سوز و ساز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فنی اعتبار سے بھی غزل خوبیاں لیے ہوئے ہے، مثلاً پہلی غزل میں تکرارِ لفظی کی مثال دیکھیے:

؎منزل منزل دھوکابازی، قدم قدم پر مکّاری

کیا کیا کھیل نہ کھیلے تم نے ، ساجن اس دم ساز کے ساتھ(۳)

اس شعر میں منزل منزل، قدم قدم اور کیا کیا سے تکرارِ لفظی کی صنعت کا خوبصورت استعمال دیکھنے کو ملتا ہے جس سے موسیقیت کا عنصر بھی پیدا ہو گیا اور غزل کی نغمگی میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی طرح اس غزل کے مقطع میں لفظی سطح پر پنجابی اور سرائیکی کا ایک لفظ ''ٹھگ باز'' استعمال ہوا ہے جس سے شاعرہ کے تجرباتی انداز کا پتہ چلتا ہے کہ شاعرہ غزل میں نئے الفاظ لانے کا تجربہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح اگر دوسری غزل کو دیکھیں تو یہ چھوٹی بحر میں کہی گئی غزل ہے۔ روایتی مضامین ہیں مگر شاعرہ نے انھیں اپنے ذاتی خیالات اور لفظیات کی شکل دے کر منفرد بنانے کی کوشش کی ہے۔ غزل کی لفظیات میں بیڑیاں، اجل، پھول، چراغ، زندگی، موت، موت، مسل، کاسنی، کنول وغیرہ ہیں۔ غزل کا ایک شعر دیکھیں:

؎ لَو چراغوں کی بجھنے والی ہے

جس کو آنا ہو، آج کل آئے(۴)

صابرہ شاہین کے بعد میر تقی میر اور مرزا غالب کی ایک ایک غزل ہے۔ میر کی غزل دس اشعار پر مشتمل ہے۔ میر کی غزل کی خوبیاں سب جانتے ہیں وہ دِلّی کی زبان استعمال کرتے ہیں، سوز و گداز اور نغمگیت سے بھرپور نشتر چلاتے ہیں۔ یہ غزل بھی ایسی ہی ہے۔ مطلع اور مقطع کا اہتمام ہے، مطلع میں جو مضمون ہے وہ تصوفانہ قسم کا ہے جس میں عشق، یارب، دل، تن کی لفظیات کا دائرہ بنتا ہے اور شاعر کہتا ہے کہ

؎ عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا

یا تنِ آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا(۵)

غالب کی غزل کا مطالعہ کریں تو پانچ اشعار کی غزل مع مطلع مقطع شاملِ انتخاب ہے، انتخابِ غزل پر معظمہ نقوی کو داد دینا بنتی ہے کیونکہ اس غزل کا ہر ہر شعر انتخاب ہے مگر یہ غزل دیوانِ غالب میں گیارہ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ معظمہ نقوی نے صرف پانچ اشعار منتخب کیے ہیں۔ ویسے تو غالب کی غزلیات میں حکمت و دانائی، فلسفہ یا مضمون آفرینی ضرور ہوتی ہے۔ ایک ایک لفظ اپنی جگہ پہ فِٹ ہوتا ہے۔ غالب کی غزل پڑھتے ہوئے بعض نامانوس الفاظ سے بھی واسطہ پڑتا ہے جس کے لیے لغت کا سہارا لینا پڑتا ہے اور بعض اشعار کی تفہیم کے لیے بھی کسی نہ کسی شرح کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس غزل میں بھی ایسی ہی صورتِ حال ہے۔ شاملِ انتخاب غزل کے مطلع میں ٹائپنگ کی ایک غلطی یہ ہے کہ لفظ "کر" کی جگہ "اگر" لکھا ہوا ہے جس سے مطلع میں اوزان اور فہم کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، درست مطلع یوں ہے:

کل کے لیے کر آج نہ خِسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

اس مطلع کی شرح یوسف سلیم چشتی نے یوں کی ہے:

"خِسّت بمعنی کنجوسی + سوءِ ظن بمعنی بدگمانی + کوثر بہشت میں ایک حوض ہے ساقیٔ کوثر یعنی آنحضرت ﷺ + کل کے دو معنی ہیں (1) گزرا ہوا کل جو آج کی ضد ہے (2) یومِ قیامت، یہاں دوسرا مفہوم مراد لیا ہے۔ مطلب: ساقی سے خطاب ہے کہ تو مجھے اس خیال سے آج شراب نہیں دیتا کہ جو شخص دنیا میں شراب نوشی کرے گا آنحضرت ﷺ شرابِ طہور نہیں پلائیں گے۔ اس خیال کو دماغ سے نکال دے کیونکہ یہ خیال ساقیٔ کوثر (آنحضرت ﷺ) کی فیاضی کے باب میں سراسر سوءِ ظن پر مبنی ہے۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ بروزِ قیامت آپ اپنے غلاموں کو اپنے فیضِ عمومی سے محروم رکھیں گے۔ (۶)"

غالبؔ کی گیارہ اشعار کی اس غزل کے وہ پانچ اشعار ملاحظہ فرمائیں جو معظمہ صاحبہ نے انتخاب کیے ہیں:

کل کے لیے کر آج نہ خِسّت شراب میں — یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں
جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع — گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں
رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے سے ہی سہی — ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی بوئے دوست — مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بُوترابؑ میں (۷)

معظمہؔ نقوی نے غزل کے انتخاب میں کلاسیکل شعراء سے لے کر جدید اردو غزل کے دور تک کے چنیدہ شعراء کا کلام شامل کیا ہے، کلاسیکل شعراء میں میر تقی میرؔ، مرزا غالب، مومن خاں مومنؔ اور بہادر شاہ ظفر کی غزلیات شامل کی ہیں۔ ان سب شعراء کا تعلق دبستانِ دہلی سے ہے اس لیے لگتا ہے کہ معظمہ نقوی کا مزاجِ انتخاب بھی داخلیت پسندانہ ہے جیسا کہ دبستانِ دہلی کے شعراء کا مزاج تھا۔ مومن خاں مومن اپنی غزل میں معاملہ بندی کے حوالے سے اہم شاعر ہیں مگر ان کی غزلوں میں سہلِ ممتنع کی بھی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ معظمہ نقوی نے مومنؔ کی وہ غزل منتخب کی ہے جو سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے اور جو غزل منتخب کی گئی ہے اس کے ایک شعر کے متعلق واقعہ مشہور ہے کہ غالبؔ نے مومنؔ کو اس شعر کے بدلے پورا دیوان دینے کا کہا، شعر یوں ہے کہ

ؔ تم مِرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومنؔ کی غزل کے بعد بہادر شاہ ظفرؔ کی غزل شاملِ انتخاب ہے، بہادر شاہ ظفر ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ تھے جن کا پایہء تخت دہلی میں تھا، 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر سے حکومت چھین لی، یوں مغلیہ حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے قید کر لیا، خاندان والوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، بیٹے قتل ہوئے۔ سارا جاہ جلال اور عزت و تکریم خاک میں مِل گئی۔ اپنے وطن سے کوسوں دور رنگون میں قید ہوئے اور وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ایسے جاہ و حشم کے بعد زوال کے دن دیکھنے کے بعد ایک بادشاہ کے جگر پہ خنجر کے وار ہوتے ہیں اس کا اندازہ ایک عام آدمی نہیں لگا سکتا، ایسے ہی جذبات کی عکاسی بہادر شاہ ظفر کی غزل میں ملتی ہے۔ غزل بچے بچے کو یاد ہے کیونکہ یہ غزل میٹرک کے نصاب میں

شامل ہے اور دل چھو لینے والی یہ غزل اکثر طلبا کو زبانی یاد ہو جاتی ہے اور پھر زندگی بھر اس غزل کا نقش نہیں مٹتا۔ غزل ملاحظہ فرمائیں:

لگتا نہیں ہے دل مِرا اُجڑے دیار میں

کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بلبل کو باغباں سے نہ صیّاد سے گلہ

قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں

ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں

اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

دن زندگی کے ختم ہوئے شام ہو گئی

پھیلا کے پاوں سوئیں گے کنجِ مزار میں

کتنا ہے بد نصیب ظفرؔ دفن کے لیے

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں(۸)

بہادر شاہ ظفر کی غزل کے بعد جس شاعر کی غزل شامل کی گئی ہے اُسے کلاسیکل اور جدید غزل کے درمیان کڑی حیثیت حاصل ہے اور وہ ہیں مولانا حسرت موہانی۔ حسرت موہانی کا اصل نام سید فضل الحسن رضوی تھا، وہ صحافت اور سیاست سے بھی وابستہ رہے، قید و بند کی صعوبتیں بھی اُٹھائیں۔ حسرت موہانی کی غزل کا جائزہ لیں تو معلوم

ہوتا ہے کہ وہ مومنؔ کے قبیلے کے شاعر ہیں۔ سہلِ ممتنع اور معاملہ بندی ان کی غزل کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ سہلِ ممتنع شعر کہنے کا ایسا انداز کہ جو انتہائی آسان لگے مگر جب ویسا شعر کہنے لگو تو کہا نہ جائے اور معاملاتِ حسن و عشق کے علاوہ محبوب سے چھیڑ چھاڑ معاملہ بندی کہلاتی ہے۔ حسرت کی غزلوں میں جہاں ان کے عہد کی سیاسی کشمکش کا عکس ہے وہیں معاملہ بندی بھی عروج پر ہے، نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

"ان کے یہاں شوخی اور شوخ معصومیت پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری عشق کے تجربے سے کم اور عشق کے مزے سے زیادہ عبارت ہے۔ یہ اس دور کا عشق ہے جب عشق میں زندگی کے مسائل حائل نہیں ہوا کرتے تھے البتہ اپنے گھر والے یقیناً رخنہ اندازی کیا کرتے تھے، سو ان کی نظر بد کے باوجود ملنے جلنے کے مواقع میسر آتے رہتے تھے۔(۹)"

حسرت موہانی کی شاملِ انتخاب غزل کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی! ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں برابر یاد آتے ہیں(۱۰)

حسرت موہانی کے بعد جس شاعر کی غزل شاملِ انتخاب ہے وہ جدید اردو غزل کے باب میں صفِ اول کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں اداسی، یاد، ہجرت اور تنہائی کا ایسا امتزاج سامنے آیا ہے کہ جس کی مثال ان سے پہلے میر تقی میرؔ کے ہاں ملتا ہے یعنی وہ شاعر ہیں ناصر کاظمی۔ کون سا ادیب ہوگا جو شاعری پسند کرتا ہو اور اس نے ناصر کاظمی کو نہ

پڑھا ہو یا ناصر کی غزل سے متاثر نہ ہوا ہو۔ معظمہ نقوی نے بھی ناصر کاظمی کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے ان کی ایک نہیں بلکہ دو غزلیات شامل کی ہیں۔ ناصر کاظمی کی غزل گوئی کے متعلق انور صابر لکھتے ہیں:

> "قیامِ پاکستان کے بعد ناصر کاظمی نے پاکستانی اردو غزل کی جدید فکری و جذباتی بنیادوں کو استوار کرنے اور اس کے مزاج کو ایک واضح تشکیل دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔۔۔ ان کی غزل میں تشکیل تعمیر کے عمل سے دوچار ایک تمدن کی گونج، ایک تہذیب کی پکار اور ایک ثقافت کے آشوب کے اظہار کا سلیقہ اور قرینہ موجود ہے۔(۱۱)"

ناصر کاظمی کی دونوں غزلیں دل کو چھُو جانے والی ہیں۔ دونوں غزلوں کے اشعار زبان زدِ عام ہیں۔ ایک غزل نصرت فتح علی خاں اور دوسری غزل نور جہاں نے گائی بھی ہیں جن کی گونج گلی کوچوں میں آج بھی سنائی دیتی ہے۔ دونوں غزلوں کے مطلع اور مقطعے ملاحظہ فرمائیں:

؎ میری زندگی ہے تُو میری ہر خوشی ہے تُو
ناصرؔ اس دیار میں کتنا اجنبی ہے تُو

؎ نیتِ شوق بھر نہ جائے کہیں
تُو بھی دل سے اُتر نہ جائے کہیں
آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصرؔ
پھر یہ دریا اُتر نہ جائے کہیں(۱۲)

ناصرؔ کے بعد معظمہ نقوی نے فیض احمد فیض کی غزل شامل کی ہے، فیض احمد فیض کا نام آزادی کے بعد جدید اردو نظم و غزل میں برابر مقبول ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے ایجنڈے اور نظریے کے پرچارک تھے مگر انھوں نے اپنی نظم و غزل کو نعرہ بننے سے بچایا ہے اور اس میں عشق و محبت رومان کی جو روح پھونکی ہے اُس سے اُن کی غزل و نظم میں ایک طرح کی ادبی شان پیدا ہوئی ہے۔ فیض کی غزلوں اور نظموں میں ترقی پسندی اور عشق و محبت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان کا محبوب کہیں گوشت پوست کا انسان ہے، کہیں مزدور اور کسان ہیں، کہیں پِسا ہوا طبقہء انسانیت ہے اور کہیں وطن اُن کا محبوب ہے۔ ایسی رنگارنگ محبتیں ان سے پہلے کسی شاعر کے ہاں نہیں ملتی ہیں۔ فیض کی شاعرانہ خوبیوں کے متعلق وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

''ان کی غزلیں ترقی پسند رجحانات کے ساتھ ساتھ ادب کے فنی معیار پر پوری اترتی ہیں۔ فیضؔ نے اپنے زمانے کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔ انھوں نے رومانیت پسندی کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری کو اپنایا ہے۔(۱۳)''

شاملِ انتخاب غزل کا ایک شعر ضرب المثل بن چکا ہے جو ہر اردو دان کو زبانی یاد ہے اور روزمرہ کی گفتگو میں عموماً پڑھنے سننے کو ملتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

؎ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں(۱۴)

فیضؔ کی غزل عشق و رومان اور مزاحمت سے بھرپور ہے۔ ان کے بعد اگلی دو غزلیں قتیلؔ شفائی کی ہیں۔ جن کا اصل نام اورنگ زیب ہے۔ قتیل شفائی بھی ترقی پسند ذہن کے مالک تھے مگر غزلوں میں ان کا رنگ ترقی پسندانہ کم کم ہے۔ ان کی غزلوں میں ایک شاعرِ مستانہ اور شاعرِ رومان نظر آتا ہے۔ وہ اپنے محبت بھرے جذبات و احساسات کی

عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی غزلیں غنائیت سے بھرپور ہوتی ہیں اور گیتوں کے بھی قریب قریب ہوتی ہیں، وہ سادہ و سلیس انداز کے شاعر ہیں۔ اس انتخاب میں بھی ان کی جو غزل شامل ہے اُس میں یہ خصائص موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پہ قتیل شفائی کی غزل کا شعر دیکھیں:

؎ اگر وفا پہ بھروسا رہے نہ دنیا کو

تو کوئی شخص محبت کا حوصلہ نہ کرے(۱۵)

ابنِ انشاء کی ایک غزل شامل ہے اس کے بھی صرف پانچ اشعار شامل ہیں باقی کے اشعار شامل نہیں کیے گئے۔ ابنِ انشاء کی جو غزل شامل ہے وہ زبان زدِ عام ہے اور اُسے معروف گلوکار غلام علی نے گایا بھی ہے۔ ابنِ انشاء کی غزلوں میں چاند کے حوالے سے نئے طرز کی تشبیہات و استعارات کا استعمال ہُوا ہے۔ انھوں نے اپنے محبوب کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔ غزل کے دو شعر دیکھیں:

؎ کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا ترا

کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرہ ترا

ہم بھی وہیں موجود تھے ہم سے بھی سب پوچھا کیے

ہم ہنس دیے، ہم چُپ رہے منظور تھا پردہ ترا(۱۶)

احمد ندیم قاسمی کا نام بھی غزل، نظم، افسانے کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ترقی پسند فکر کے حامل اس شاعر نے اپنی غزلوں میں ہمہ رنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی شاملِ انتخاب غزل میں رومانی جذبات کا اظہار ہے اور محبوب کے ساتھ معاملاتِ محبت پر شاعرانہ بات چیت کی گئی ہے اور محبوب کے حکم کے آگے سر خم تسلیم کرنے کی باتیں کی گئی ہیں مطلع دیکھیں:

؎ جب ترا حکم ملا ترکِ محبت کر دی

دل مگر اس پہ وہ دھڑکا کہ قیامت کر دی(۱۷)

سیف الدین سیف کی منتخب غزل بھی مشہور ہے اور اس غزل میں دِلی جذبات کا اظہار نہایت دردب بھرے انداز میں کیا گیا ہے۔ غزل کا ایک شعر تو زبان زدِ عام ہے اور بچے بچے کو یاد ہے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اکثر لوگ اس شعر کو پروین شاکر یا دوسرے شاعروں سے منسوب کرتے ہیں، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ شعر سیف الدین سیف کا ہے، شعر کا مصرعِ ثانی بھی عوام میں ذرا اور انداز میں مقبول ہے۔ اس لیے یہ غزل منتخب کر کے معظمہ نے ایک فریضہ یہ بھی انجام دیا ہے کہ قاری تک شعر کے اصل خالق کا نام پہنچانے کی کوشش کی ہے، شعر ملاحظہ فرمائیں:

؎ مِرے پاس سے گزر کر مِرا حال تک نہ پُوچھا

میں یہ کیسے مان جاؤں وہ دور جا کے روئے(۱۸)

احمد فراز آج بھی ہزاروں دلوں کی دھڑکن ہیں اور ان کے چاہنے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ احمد فراز جدید اردو غزل کا معتبر حوالہ ہیں۔ معظمہ نقوی نے ان کی دو غزلیں شامل کی ہیں۔ ایک غزل تو انتہائی مقبول ہے اور مہدی حسن نے اسے گایا بھی ہے۔ احمد فراز کی غزلوں میں رومان پرور جذبات کی عکاسی ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے پرستاروں میں نوجوان طبقہ ہمیشہ سے زیادہ شامل رہا ہے۔ احمد فراز کی دونوں غزلیں دِلی جذبات کی عکاس ہیں۔ احمد فراز کی غزل روایت اور جدیدیت کے بین بین بھی تصور کی جاتی ہیں کیونکہ انھوں نے غزل کی روایات میں رہتے ہوئے اسے جدید خیالات اور مضامین دینے کی کوشش کی ہے۔ احمد فراز کی شاعری کے متعلق فراق گورکھپوری لکھتے ہیں:

”احمد فراز کی شاعری اردو میں ایک نئی اور انفرادی آواز کی حیثیت رکھتی ہے

۔ ان کے وجدان کی اور جمالیاتی شعور کی ایک خاص شخصیت ہے جو نہایت

دلکش خدّو خال سے مزیّن ہے۔ ان کے سوچنے کا انداز نہایت حسّاس اور پُر

خلوص ہے۔(۱۹)“

احمد فراز کی شاملِ انتخاب غزلوں کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

؎ کروں نہ یاد مگر کس طرح بھلاوں اُسے

غزل بہانہ کروں اور گنگناوں اُسے

جو ہمسفر سرِ منزل بچھڑ رہا ہے فرازؔ

عجب نہیں ہے اگر یاد بھی نہ آوں اُسے

؎ اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

جس طرح سُوکھے ہوئے پھول گلابوں میں ملیں

اب نہ وہ میں ہوں نہ تُو ہے نہ وہ ماضی ہے فرازؔ

جیسے دو سائے تمنا کے سرابوں میں ملیں(۲۰)

محسن نقوی کی جو غزل شاملِ انتخاب ہے اس میں محسن نقوی کا استفہامیہ لہجہ دیکھنے کو ملتا ہے یعنی وہ اشعار کو سوالیہ بناتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ چھ اشعار کی یہ غزل چھوٹی بحر میں اور اپنی مٹی سے جڑی ہوئی ہے۔ ریت، دریا، ہوا اور رات کے استعارے اس غزل میں استعمال ہوئے ہیں، اشعار دیکھیے:

ے تیز ہوا نے مجھ سے پُوچھا؟

ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو؟

کاش! کوئی ہم سے بھی پوچھے

رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟(۲۱)

خالد شریف کا نام اردو غزل میں جانا پہچانا ہے اور اس انتخاب میں شامل غزل میں اُن کے جذبات و احساسات کا صاف پتہ ملتا ہے۔ وہ غزل میں محبوب کے ذکر سے گریز نہیں کرتے اور غزل میں روانی و سلاست کے قائل دکھائی دیتے ہیں، اُن کی غزل کا مقطع دیکھیں:

ے یہ سوچ کر نہ اُسے پھر کبھی ملے خالدؔ　　کہ جانے حال ندامت سے اُس کا کیا ہو گا(۲۲)

بشیر بدر بھارت کے مشہور و معروف شاعر ہیں۔ جیسے پاکستان میں ناصر، فراز، محسن، پروین شاکر وغیرہ ہر دلعزیز ہیں اسی طرح بھارت میں بشیر بدر ہر دلعزیز شاعر ہیں۔ معظمہ نقوی نے ان کی چھوٹی بحر کی غزل کے پانچ اشعار شامل کیے ہیں جو سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر راحت بدر لکھتے ہیں:

''بشیر بدر کا اپنا منفرد اور خوبصورت لہجہ ہے۔ جو دور سے پہچانا جا سکتا ہے۔

بشیر بدر کے ہاں زندگی کی پوری ترجمانی ملتی ہے۔(۲۳)''

نمونہء کلام:

نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی　　بڑی آرزو تھی ملاقات کی

کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں　　کہاں دن گزارا، کہاں رات کی(۲۴)

پروین شاکر جو اردو ادب میں خوشبو کی شاعرہ کے طور پر مشہور ہیں۔ اردو ادب میں سب سے زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل کرنے والی خاتون شاعرہ ہیں۔ اُنھوں نے شاعری میں صنفِ نازک کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے اور لڑکیوں کی سی الھڑ اور شوخ و چنچل باتیں کر کے اردو غزل میں نئی آواز کے طور پر متعارف ہوئی ہیں۔ معظمہ نقوی نے اُن کی اداس کر دینے والی غزل منتخب کی ہے جس میں ہجر وصال اور یاد وغیرہ کا ذکر خوبصورتی سے کِیا ہے۔ مکمل غزل پڑھتے ہوئے قاری اس کے سحر میں آجاتا ہے اور بے ساختہ منہ سے واہ نکلتی ہے۔ غزل سے چند اشعار:

؎کچھ تو ہوا بھی سرد تھی کچھ تھا ترِا خیال بھی

دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی

بات وہ آدھی رات کی، رات وہ پورے چاند کی

چاند بھی عین چیت کا، اُس پر ترِا جمال بھی

سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا

ایک دفعہ تو رُک گئی گردشِ ماہ و سال بھی

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر

ہاتھ دعا سے یوں گِرا بھول گیا سوال بھی(۲۵)

امجد اسلام امجد اردو غزل کے مابعد جدید دور کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی غزلیں رواں دواں، سلیس اور سادہ ہوتی ہیں جن میں معاشرتی اور ذاتی دونوں طرز کے افکار و احساسات کا اظہار ملتا ہے۔ شاملِ انتخاب غزل سے دو شعر:

؎زندگی اک دکاں کھلونوں کی

وقت بگڑا ہوا سا بچہ ہے

اس بھری کائنات کے ہوتے

آدمی کس قدر اکیلا ہے(۲۶)

افتخار عارف کی غزل اپنے ہم عصروں سے کئی حوالوں سے مختلف ہے، وہ اپنی غزل میں ادبی شان پیدا کرنے کے لیے الفاظ کی شوکت کی خوبی کو سامنے رکھتے ہیں جو کہ لان جائنس کے مطابق ارفع کلام کی ایک خوبی ہے، اس کے علاوہ وہ اپنی غزل میں سطحی جذباتیت کے بجائے گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاملِ انتخاب غزل بھی ایسی ہی خوبیوں سے مزیّن ہے، مثلاً دو اشعار دیکھیں:

؎ وہی چراغ بجھا جس کی لَو قیامت تھی

اُسی پہ ضرب پڑی جو شجر پرانا تھا

وہی فراق کی باتیں وہی حکایتِ وصل

نئی کتاب کا اِک اِک ورق پرانا تھا(۲۷)

ساغر صدیقی اپنے مسکین لہجے کی وجہ سے اردو غزل میں مشہور ہیں۔ ان کی شاملِ انتخاب غزل ایک شاہکار ہے اور آج بھی یہ غزل اردو کی مقبول و معروف غزلوں میں سے ایک ہے۔ ساغر کی یہ غزل اُن کی ذات اور اُن کے عہد کی عکاسی کرتی ہے۔ جب انسان بے بسی کی حالت میں بہت کچھ بھول جاتا ہے اور بہت کچھ غیر ضروری طور پر یاد رکھنے لگتا ہے۔ کیا یاد ہے اور کیا بھول گیا ساغر نے اس غزل میں خوب صورت انداز میں بتایا ہے، کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

؎ ہے دعا یاد مگر حرفِ دعا یاد نہیں

میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے

میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں علمِ مدہوشی میں

لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں(۲۸)

مصطفیٰ زیدی، حسن رضوی، صابر ظفر، سعید واثق، عدیم ہاشمی، ناصر عدیل اور نجیب احمد کی غزل دورِ حاضر میں مقبول ہے اور ان کی غزل میں موجودہ دور کے معاشرتی مسائل و افکار کے ساتھ ساتھ محبت کے جدید اور نئے طور طریقوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مندرجہ بالا شعراء کی شاملِ انتخاب غزلیات سے اشعار دیکھیں:

ے یونہی اِک روز اپنے دل کا قصہ بھی سُنا دینا خطاب آہستہ آہستہ ، نظر آہستہ آہستہ(مصطفیٰ زیدی)

ے کبھی کتابوں میں پھول رکھنا، کبھی درختوں پہ نام لکھنا ہمیں بھی ہے یاد آج تک وہ نظر سے حرفِ سلام لکھنا(حسن رضوی)

ے نہ تیرا خدا کوئی اور ہے نہ میرا خدا کوئی اور ہے یہ قسمتیں ہیں جدا جدا یہ معاملہ کوئی اور ہے(صابر ظفر)

ے پہلے تو فقط حسرتِ دیدار تھی واثقؔ اب یہ بھی طلب ہے کہ اُسے جیت کے ہاروں(سعید واثق)

ے آج اُس نے درد بھی اپنے علیحدہ کر لیے آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا (عدیم ہاشمی)

ے تم ہو منزل پہ اور سفر میں ہم اپنی اپنی عدیل قسمت ہے (ناصر عدیل)

ے کیا کہیں کیسے بسر ہجر کی راتیں کی ہیں عمر بھر چاند سے اِک شخص سے باتیں کی ہیں(نجیب احمد)

شاہدہ حسن کا نام جدید اردو غزل میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی شاعری صنفِ نازک کے مسائل اور جذبات کی شاعری ہے۔ انھیں یہ دکھ ہے کہ عورت اس عہد میں بھی مردوں کے رحم و کرم پہ ہے اور اس کی تقدیر کے فیصلے مردوں کے ہاتھ میں ہیں۔ معظمہ نقوی بھی ایک عورت ہیں اور ان کا پروین شاکر اور شاہدہ حسن جیسی شاعرات کی غزلوں کا انتخاب فطری ہے کیونکہ انھیں بھی شاہدہ حسن کی غزلوں میں اپنے دکھ درد کی عکاسی ہی ملتی ہے۔ شاہدہ حسن کے اشعار دیکھیں جن کا انتخاب معظمہ نقوی نے کِیا ہے:

؎ یہ جینے کی کیسی سزا دی گئی — ہواؤں کے رُخ پہ اڑا دی گئی

کسی پیرہن پر منقّش ہوئی — کسی آئینے میں سجا دی گئی

کسی زندگی سے جدا کر کے میں — کسی زندگی میں ملا دی گئی

کسی گھر سے مجھ کو اٹھایا گیا — کسی گھر میں لا کر بٹھا دی گئی

ہنسایا گیا عمر بھر یوں مجھے — ہنسی ہی ہنسی میں رُلا دی گئی(۲۹)

جمال احسانی اردو غزل کا معتبر ستارہ ہے۔ اُن کی غزل تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ انھیں 1980 کے بعد کی اردو غزل کے عہد کا اہم شاعر سمجھا جاتا ہے۔ منتخب غزل سہلِ ممتنع، روانی و سلاست اور سادگی سے مزیّن ہے۔ دل کے جذبات میں خود کلامی کی سی کیفیت ہے۔ اشعار دیکھیے:

؎ ملنا نہیں تو یاد اُسے کرنا بھی چھور دے — دیوار چھوڑ دی ہے تو سایہ بھی چھوڑ دے

اللہ کی زمین بڑی ہے بہت جمالؔ — عزت نہیں جہاں وہاں رہنا بھی چھوڑ دے(۳۰)

معظمہ نقوی کے اس انتخاب میں زیادہ تعداد عہدِ حاضر کے شعراء کی ہے اور انھوں نے کلام بھی ایسا منتخب کِیا ہے جو تقریباً مشہور ہے اور ہر ادبی محفل میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ ان ناموں اور ان غزلوں سے واقف ہیں۔ اگلے

ناموں میں اعتبار ساجد، علی ارمان، سلیم کوثر، احمد ضیاء، باقی احمد پوری، ناصر زیدی، کشور ناہید، حسن نثار، سلیم احمد، عبید اللہ علیم، نذیر احمد عارف، نجم الثاقب، فائزہ ندیم فزا، اختر ملک، خاوری، محبوب ربانی، ارشد ملک، سرور امان، یعقوب انجم، حسن عباسی، منان قدیر منان، وصی شاہ، فرحت عباس شاہ، جاوید گل گشکوری اور فائق ترابی کا نام شامل ہے۔ان کی غزل گوئی عہدِ حاضر کی غزل گوئی ہے،عبید اللہ علیم جیسے چند ایک شعراء کو چھوڑ کر ان میں سے اکثر و بیشتر شعراء حیات ہیں اور ان کا شعری سفر ابھی جاری ہے۔ وصی شاہ، منان قدیر منان، حسن عباسی، ارشد ملک وغیرہ تو ابھی کل کی بات ہے کہ مشہور ہوئے ہیں اور ان کی غزل کو 1990ء یا 2000ء کے بعد ادبی حلقوں میں سنا گیا ہے۔

مندرجہ بالا شعراء کی منتخب غزلیات سے ذائقے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

؎ تمھیں جب ملیں کبھی فرصتیں مِرے دل سے بوجھ اتار دو — میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو

مجھے اپنے رُوپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں مِرے خال و خد — مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو، مِرے سارے رنگ اتار دو (اعتبار ساجد)

؎ اے سرد سرد رات مجھے چاند چاہیے — کرنی ہے دل کی بات مجھے چاند چاہیے (علی ارمان)

؎ میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے — سرِ آئینہ م،را عکس ہے، پسِ آئینہ کوئی اور ہے (سلیم کوثر)

؎ پہلے اِک نام لکھا کرتے تھے پھولوں سے ضیاء — پھر اُسی نام کو ہم چوم لیا کرتے تھے (احمد ضیاء)

؎ باقیؔ وہ لوگ روزِ قیامت سے کیا ڈریں — جو تیرے انتظار کی حد سے گزر گئے (باقی احمد پوری)

؎ ایک ہی شخص ہے بہت ناصرؔ — کیوں کوئی اور ہم سفر دیکھوں (ناصر زیدی)

؎ اے کاش! تُو بھی سنتا کبھی آہٹوں کی گونج — تو بھی مِری طرح سے کبھی ڈھونڈتا مجھے

ناہیدؔ اُس کی یاد کا آنچل بھی آج تو — اُڑتا ہوا ہوا میں بگولا لگا مجھے (کشور ناہید)

؎ سوچتا رہتا ہوں کوئی معجزہ ہو جائے گا — وقت یوں بدلے گا اِک دن وہ م،را ہو جائے گا (حسن نثار)

ےخود بھی سوچا تھا بہت اُس نے بھی پُوچھا تھا بہت
حال جب خود ہی نہ سمجھے تو سنانا کیسا(سلیم احمد)

ےبنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اِک شخص
ہُوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اِک شخص

میں کس ہوا میں اُڑوں، کس فضا میں لہراؤں
دکھوں کے جال ہر اِک سُو بچھا گیا اِک شخص (عبیداللہ علیم)

ےسُن کے نغماتِ عارفؔ سرِ انجمن
لوگ روتے رہے آپ ہنستے رہے(عارف صدیقی)

ے ترِی خوشی مقدم تو کوئی چیز نہیں
ترے بنا ہی گزر جائے، زندگی ہی تو ہے(نجم الثاقب)

ےیہ جو دوریوں کے ہیں فاصلے اسے مختصر نہیں کر سکے
کبھی ہم سفر نہیں کر سکے، کبھی تم سفر نہیں کر سکے (فائزہ ندیم فزاؔ)

ے ہم نازک نازک دل والے
کبھی ہنستے ہیں کبھی روتے ہیں(اختر ملک)

ےکہیں تیرے پیار کا تذکرہ کہیں تیرے ہجر کا باب ہے
جسے لوگ کہتے ہیں شاعری یہ گئے دنوں کا حساب ہے (خاوری)

ے وہی آنکھیں وہی چہرہ وہی پیکر دیکھوں
دل کے آئینے میں اک شخص برابر دیکھوں(محبوب ربانی)

ے یہ کھیل ایسا نہیں یونہی جیت ہو جائے
کسی مقام پہ ہستی کو ہارنا ہوگا(ارشد ملک)

ے مجھے حیات سے بے زار کر نہ جائے کہیں
ترے خیال کی خوشبو بکھر نہ جائے کہیں(سرور ارمان)

ے ہم یوسفِ زماں تھے ابھی کل کی بات ہے
تم ہم پہ مہرباں تھے ابھی کل کی بات ہے (یعقوب انجم)

ے گڑ گڑا کر رات دن مانگی دعا
عرش تک پہنچی نہ پر اپنی دعا(حسن عباسی)

ے جو لوگ چلے جاتے ہیں واپس نہیں آتے
ہم بھولنا چاہیں تو بھلا بھی نہیں پاتے(منان قدیر منان)

ے تم نے کیسا یہ رابطہ رکھا
نہ ملے ہو نہ فاصلہ رکھا (سعداللہ شاہ)

ے دیارِ غیر میں کیسے تجھے صدا دیتے
تُو مل بھی جاتا تو آخر تجھے گنوا دیتے (وصی شاہ)

ےخوشیوں کی بارات ادھوری چھوڑی گئے
ساجن دل کی بات ادھوری چھوڑ گئے (فرحت عباس شاہ)

ے کبھی جو اپنا حبیب ٹھہرا وہ چاند چہرہ قریب پہنچا تو خشک صحرا، وہ چاند چہرہ(جاوید گل گشکوری)

ے آپ بچھڑے تو پھر یقیں آیا کوئی شے آخری نہیں ہوتی (فائق ترابی)

معظمہ نقوی نے جو غزلیں منتخب کی ہے وہ بے حد عمدہ ہیں، کلاسیکل، جدید اور مابعد جدید دور کے منتخب شعراء کی غزلیات کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ معظمہ نقوی نے زیادہ تر مشہور شعراء کی مشہور غزلیات منتخب کی ہیں۔ معظمہ نقوی کے اس انتخاب میں نئے پڑھنے والوں، اردو ادب کے طالب علموں اور شاعری سے شغف رکھنے والوں کے لیے لطف کا خاصا سامان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص10

۲۔ ایضاً، فلیپ

۳۔ ایضاً، ص15

۴۔ 1یضاً، ص16

۵۔ ایضاً، ص18

۶۔ چشتی، یوسف سلیم، پروفیسر، ''شرح دیوانِ غالب''، مکتبہ ترقئ ادب، امروہہ، ص521

۷۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص18

۸۔ ایضاً، ص21

۹۔ نظیر صدیقی، ''جدید اردو غزل ایک مطالعہ''، گلوب پبلشرز، لاہور، 1984ء، ص18

۱۰۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص22

۱۱۔ انور صابر، ڈاکٹر ''پاکستان میں اردو غزل کا ارتقاء''، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، 2002ء، ص332

۱۲۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص25، 26

۱۳۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، ''تاریخِ جدید اردو غزل''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2019ء، ص533

۱۴۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص27

۱۵۔ ایضاً، ص33

۱۶۔ ایضاً، ص35

۱۷۔ ایضاً، ص36

۱۸۔ ایضاً، ص37

۱۹۔ راحت بدر، ڈاکٹر ”جدید اردو غزل“ ایم۔ آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2011ء، ص118

۲۰۔ معظمہ نقوی، ”کفِ دست“، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص39،38

۲۱۔ ایضاً، ص40

۲۲۔ ایضاً،44

۲۳۔ راحت بدر، ڈاکٹر ”جدید اردو غزل“ ایم۔ آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2011ء، ص144

۲۴۔ معظمہ نقوی، ”کفِ دست“، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیرہ غازی خان، 2019ء، ص44

۲۵۔ ایضاً، ص45

۲۶۔ ایضاً، ص50

۲۷۔ ایضاً، ص51

۲۸۔ ایضاً، ص53

۲۹۔ ایضاً، ص59

۳۰۔ ایضاً، ص64

باب چہارم:

"کفِ دست" کی نظموں کا جائزہ

معظمہ نقوی کے مرتب کردہ انتخاب "کفِ دست" میں ویسے غزلیات کی تعداد زیادہ ہے مگر 15 نظمیں بھی شامل ہیں۔ نظم اور غزل میں واضح فرق ہے۔ نظم کے لغوی معنی لڑی میں پرونا کے ہیں اور غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا کے ہیں۔ غزل کی اپنی ایک خاص ہیئت ہے اور غزل کے تمام اشعار الگ اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ نظم کسی خاص موضوع یا خیال کے گرد گھومتی ہے۔ اس میں اشعار یا مصرعے آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وزیر آغا نظم کے بارے میں کہتے ہیں کہ

> "نظم کے پیکر کی خصوصیت اس کی اکائی ہوتی ہے اور نظم کا ہر مصرع اپنی مجرد حیثیت سے محروم محض ایک مرکزی خیال کی تعمیر میں صرف ہوتا ہے۔(۱)"

کالرج نے اپنی کتاب بائیو گرافیا لٹریریا میں نظم کی جو تعریف کی ہے اس کا اردو ترجمہ جمیل جالبی نے یوں کیا ہے:

> "اگر ایک حقیقی نظم کی تعریف درکار ہے تو میرا جواب یہ ہوگا کہ وہ نظم لازمی طور پر ایسی ہوگی جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو باہمی طور پر آگے بڑھا رہا ہو اور ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کر رہا ہو۔(۲)"

اس طرح یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نظم کا تعلق موضوع کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ نظم کی اقسام کی بات کریں تو نظم کی بلحاظ موضوع اور بلحاظ ہیئت مختلف اقسام ہیں۔ نظم کی اقسام بلحاظ موضوع حمد، نعت، مرثیہ، سلام، قصیدہ، منقبت، ملی نغمہ وغیرہ ہیں جبکہ نظم کی اقسام بلحاظ ہیئت دیکھیں تو آزاد نظم، معریٰ نظم،

سانیٹ، مثنوی، پابند نظم، مثلث، مربع، مخمس، مسدس وغیرہ ہیں اور اب نثری نظم بھی کہی جارہی ہے۔ ''کفِ دست'' کی نظموں کی طرف نظر دوڑائیں تو اس انتخاب میں کل 16 نظمیں شامل ہیں۔ زیادہ تر آزاد نظمیں ہیں، احسان دانش، علامہ اقبال اور فیض کی نظمیں آزاد نہیں ہیں۔ فیض کی نظم معریٰ ہے۔ آیئے تمام نظموں کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

احسان دانش کا نام اردو غزل اور نظم دونوں حوالوں سے نہایت اہم ہے۔ ''کفِ دست'' میں پہلی نظم احسان دانش کی شامل ہے، احسان دانش کا کمال یہ ہے کہ اُن کی نظمیں برصغیر کی تہذیب وثقافت اور تمدنی زندگی کا عکس لیے ہوئے ہیں۔ احسان دانش کی نظم ''دیہات کی ایک شام'' جیسا کہ نام ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شام کے منظر کے متعلق ہے۔ نظم مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اٹھارہ اشعار کی اس نظم کا ہر شعر شاہکار ہے۔ احسان دانش کی یہ نظم بہت مشہور ہے اور اس کے اشعار مختلف نصابات، اخبارات اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ احسان دانش کی اس نظم میں شام کا منظر نہایت دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے شام کے مختلف مناظر کو ایسے بیان کیا ہے کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ آج کے اس جدید دور میں اب عورتیں نہ تو پانی کی گاگریں بھر کے لاتی ہیں اور نہ اب دیہاتوں میں ویسا شام کا منظر رہ گیا ہے۔ مگر آج سے پندرہ بیس سال پہلے ملتے جلتے مناظر عام طور پر دیکھنے کو ملتے تھے، ذرا منظر دیکھیں:

ؔسُرخ مئے برسا رہا تھا شام کا رنگیں شباب
جھک رہا تھا دُور کھیتوں کے کنارے آفتاب

آچکی تھیں گاگریں بھر کر حسیں پنہاریاں
اُٹھ رہا تھا گاؤں کے کچے مکانوں سے دھواں

راستوں میں ظلمتوں کے سانپ بل کھانے لگے

سست چرواہے چراگاہوں سے گھر آنے لگے

اوڑھ کر اِک تیرگوں چادر بیاباں سو گیا

سبز کھیتوں پر خنک سایہ مسلط ہو گیا(۳)

احسان دانش کی یہ نظم روانی وسلاست میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس نظم میں جہاں انھوں نے دیہاتی رہن سہن اور طرزِ تمدن کا منظر پیش کیا ہے وہیں نظم کے آخر میں اس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ شہروں کی رنگینیاں چھوڑ چھاڑ کے دیہات کی سادہ لوح مگر پُرکشش زندگی کا مزہ لیا جائے، آخری دو اشعار دیکھیے:

ے واہ رے دیہات کے تازہ تمدن کی بہار

سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زرنگار

دل یہ کہتا ہے فراقِ انجمن سہنے لگوں

شہر کی رنگینیاں چھوڑوں یہیں رہنے لگوں(۴)

معظمہ نقوی خود بھی شاعرہ ہیں اور جیسے اُن کی ایک غزل کتاب کے فلیپ والے صفحہ پر درج ہے، اسی طرح ان کی ایک مختصر نظم بھی اس کتاب میں احسان دانش کی نظم کے بعد شامل ہے۔ نثری نظم لگتی ہے جس کا عنوان ہے ''تم''۔ نظم کی لفظیات پر غور کریں تو اس نظم میں انگریزی کا ایک لفظ ''ایڈریس(address)'' استعمال ہوا ہے جس کا اردو میں مطلب ملنے کا پتہ کے ہیں۔ نظم کے خیال پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعرہ کے دل سے نکلی ہوئی ایک آواز ہے جس میں درد بھرا لہجہ ہے اور شاعرہ یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ میں جو اس دنیا میں دربدر ہوں، بھٹکی ہوئی پھر رہی ہوں جسے کوئی ٹھکانہ یا منزل نہیں مل رہی، اسی طرح میری جو لاحاصل آرزوئیں اور تمنائیں ہیں وہ سب

تم سے جڑی ہوئی ہیں، ظاہر ہے کہ "تم" عنوان یہی بتاتا ہے کہ کوئی محبوب ہے کہ جس کی نظرِ التفات ہی سب کچھ ہے۔ نظم ملاحظہ فرمائیں:

نظم---------

"تم"

اس دنیا میں

"تم"

میری بھٹکتی ہوئی

زندگی----

اور لاحاصل

خواہشوں کا مکمل

ایڈریس ہو!(۵)

علامہ محمد اقبال کے کلام کو کون ہے جو پسند نہیں کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی دو نظموں کے اشعار اس کتاب میں شامل ہیں۔ پہلی نظم کا عنوان ہے "پنجابی مسلمان" جبکہ دوسری نظم کا عنوان ہے "عورت کی حفاظت"۔ پنجابی مسلمان نظم میں پنجاب کے رہنے والے مسلمانوں پر طنز کی گئی ہے کیونکہ پنجاب میں رہنے والے اکثر و بیشتر مسلمانوں کے عادات و اطوار اسلامی قوانین کے متضاد ہیں یا اسلام کے مطابق نہیں ہیں۔ کچھ عادات تو ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے مسلمان معاشرہ ترقی کی بجائے تنزلی کا شکار ہوا ہے۔ مثلاً ہم مسلمانوں میں خود تحقیق کرنے کے جذبے کا فقدان ہے بس جیسے ہم سنتے ہیں اس پر بغیر سوچے سمجھے عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور اس بات کی تحقیق تک نہیں جاتے یہی وجہ ہے

کہ ہمارے معاشرے میں کوئی بھی مولوی من گھڑت باتیں سنا کر یا کفر کے فتوے لگا کر آج مسلمانوں میں تفریق پھیلا رہا ہے اور ہم بھی انھیں مولویوں کے کہے سنے پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم خود بھی تحقیق و جستجو کرتے اور مسلمانی انداز اپناتے، اقبال نظم دیکھیں:

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت

کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد

تحقیق کی بازی ہو تو کرتا نہیں شرکت

ہو کھیل مُریدی کا تو برتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیّاد لگا دے

یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد(٦)

علامہ اقبال کی ساری شاعری میں اصلاح کا عنصر کار فرما رہا ہے۔ وہ طنز میں بھی حکمت و دانائی کی باتیں ہی کرتے ہیں۔ اُن کی دوسری نظم میں جو خیال پیش کیا گیا ہے وہ عورت کی حفاظت کے حوالے سے ہے۔ آج کے جدید معاشرے میں بھی عورت غیر محفوظ ہے، یورپ کی نقل کرتے ہم تھکتے نہیں اور سمجھتے ہیں کہ مغرب میں عورت کی بڑی قدر ہے اور وہاں کی عورت محفوظ ہے۔ وہاں رہنے والے بتائیں گے کہ اُس معاشرے میں بھی سیکیورٹی، پولیس اور دیگر فورسز و قوانین کی سختی کی وجہ سے آزادانہ گھومتی پھرتی ہے ورنہ وہاں بھی عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کے

واقعات رونما ہوتے ہیں، اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ خدا نے عورت کو صنفِ نازک کے طور پر بنایا ہے اور اس کی نفاست و نزاکت کا محافظ مرد کو بنایا ہے۔ فطرت کے مطابق مرد مضبوطی اور توانائی میں عورت سے زیادہ ہے۔ علامہ اقبال کے مطابق بھی مرد ہی عورت کا اصل نگہبان ہے۔ اقبال نے اپنی نظم میں مایوسی سے کہا کہ میرے سینے میں ایک راز کی بات ہے مگر اُسے وہ شخص کبھی نہیں سمجھ سکتا کہ جس میں غیرت نہ ہو یعنی جس کا خون ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ نہ تو نئی تعلیم اور نہ ہی نئے نئے حجابانہ اطوار عورت کی حفاظت کر سکتے ہیں اگر عورت کی کوئی حفاظت کر سکتا ہے تو وہ صرف مرد ہی کر سکتا ہے۔ اور جو قومیں اس بات کو بھلا بیٹھتی ہیں وہ جلد ہی زوال کا شکار ہو جاتی ہیں، نظم دیکھیں

عورت کی حفاظت

اِک زندہ حقیقت ہے مِرے سینے میں مستور

کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی

نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد

جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا

اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا سرد(۷)

اقبال کے بعد فیض احمد فیضؔ کی نظم انتخاب میں شامل ہے۔ فیض احمد فیض کا نام ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہا اور اُن کی شاعری کا ایک رُخ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہے۔ فیضؔ انقلاب اور محبت کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں

عشق کی کیفیات ملتی ہیں جو اُن کی شاعری کا ایک رنگ ہے اس کے علاوہ دوسرا رنگ اُن کی شاعری کا وہ ہے جو اُن کے عہد کی سیاست کی وجہ سے پیدا ہوا۔ فیض کی نظموں اور غزلوں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ فیض احمد فیض عشق سے انقلاب و مزاحمت اور سیاست کی طرف چل پڑتے ہیں مگر اُن کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنی شاعری کو نعرہ یا پروپیگنڈہ بننے سے بچاتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں ترقی پسندانہ خیالات کی ترجمانی اتنی فراوانی سے ملتی ہے کہ اُن کا نام ترقی پسند شاعروں میں بلند و بالا ہے۔ اُن کی شاعری کے بارے میں انور سدید لکھتے ہیں؛

> ''ترقی پسند شاعری میں فیض کی عطا یہ ہے کہ انھوں نے نظریے کی ترسیل کو مستقیم اور غیر مستقیم انداز میں پیش کرنے کے تجربے کیے۔ چنانچہ ان کی بیش تر نظموں میں حقیقت نگاری علامتی روپ میں ڈھل گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری کے گرد ایک دائرہء نور گردش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔(۸)''

فیض کی جو نظم معظمہ نقوی نے منتخب کی ہے اس میں بھی محبت اور انقلاب دونوں کا امتزاج ہے۔ فیض احمد فیض اپنے محبوب سے مخاطب ہیں اور کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! میرے خیالات میں تبدیلی آچکی ہے میرے جذبات بدل گئے ہیں اس لیے اب مجھ سے پہلے جیسی محبت کا تقاضا مت کرو۔ نظم کا پہلا حصہ دیکھیں:

مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تُو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے؟
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

تُو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ(۹)

فیض کی یہ نظم معریٰ ہے، نظم معریٰ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں تمام مصرعے ایک ہی بحر میں ہوں مگر قافیہ ردیف کی کوئی خاص پابندی یا ترتیب نہیں ہوتی، جانے انجانے میں اگر قافیہ ردیف کہیں کہیں مِل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ فیض کی یہ نظم اُن کے شعری مجموعہ نقشِ فریادی میں شامل ہے جس میں یہ نظم مصرعوں میں شائع ہوئی ہے مگر معظمہ نقوی کے انتخاب میں اسے اشعار کی صورت میں شائع کیا گیا ہے جس سے نظم کے حُسن متاثر بھی ہوا ہے۔ اس پہلے حصے میں شاعر اپنے محبوب سے اُس کے حُسن و عشق کے متعلق خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اب معذرت خواہ بھی ہے کیونکہ شاعر کے خیالات بدل رہے ہیں اور وہ جس محبت کو اور محبوب کے حُسن کو دنیا کی سب سے اہم اور راحت و سکون کا باعث چیز سمجھتا تھا، شاعر کے خیال میں ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا میں محبت کے دکھوں کے علاوہ بھی دکھ ہیں اور محبوب کے وصل میں جو سکون ہے اُس سکون کے علاوہ بھی دنیا میں راحتوں کے ذرائع موجود ہیں۔ اس لیے شاعر معذرت خواہ ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میرے محبوب مجھ سے پہلے جیسی محبت مت مانگ۔ ویسے تو پوری نظم کے مصرعے آپس میں پیوست ہیں مگر دیکھا جائے تو نظم کے دو حصے بنتے ہیں اور دوسرے حصے میں

شاعر نے بتایا ہے کہ دراصل اب اُس کی نظر اور خیال کس طرف مُڑ جاتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ شاعر اپنے محبوب سے اب پہلے جیسی محبت نہیں کر سکتا۔ دوسرا بند ملاحظہ فرمائیں:

اَن گِنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بُنوائے ہوئے
جا بجا بِکتے ہُوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لِتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
لوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجے
اب بھی دلکش ہے تِرا حُسن مگر کیا کیجے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔(۱۰)

عام طور پر نظم کو دو حصوں میں لکھا جاتا ہے جیسا کہ اوپر دو حصے لکھے گئے ہیں۔ اب دوسرے حصے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل شاعر کی توجہ اب کس طرف مُڑ جاتی ہے اور وہ اپنے محبوب سے عشق و رومان کے معاملات میں کیوں معذرت خواہ ہے۔ اس کی وجہ نظم میں یہ بتائی گئی ہے کہ کئی سو سال سے ظلمت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اور معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی وجہ سے غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک نہین کِیا جاتا، کہیں وہ ظلم و جور کا نشانہ بنتے ہیں، کہیں ان کا خون بہایا جاتا ہے اور کہیں خوبصورت جسموں کی خرید و فروخت ہوتی ہے، بے شک اے میرے محبوب آج بھی تیرے حُسن میں بے حد دلکشی ہے مگر میں کیا کروں کہ میرا دھیان اِس خاک و خون میں نہائے ہوئے

لوگوں کی طرف بھی چلا جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ محبت کے غموں کے علاوہ زمانے میں اور غم بھی ہیں اور بالکل اِسی طرح زمانے میں محبت کی راحت کے علاوہ بھی راحتیں موجود ہیں۔ عام طور پر یہ نظم اتنی ہی پڑھنے کو ملتی ہے لیکن اگر فیض احمد فیضؔ کے شعری مجموعہ کا پہلا ایڈیشن دیکھیں تو س میں ایک شعر اور بھی تھا جسے نظر انداز کِیا جاتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ے جسم نکلے ہوئے امراض کے تنّوروں سے

پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے(۱۱)

اس شعر کو نظر انداز کرنے وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ شعر نزاکت و نفاست سے عاری ہے اور اتنا کھر درا ہے کہ کانوں کیا س کی سماعت بھلی نہیں لگتی جس کی وجہ سے اس شعر کو اکثر نظر انداز کیا گیا ہے۔ ویسے تو ساحر لدھیانوی کا نام فلمی گیت اور اردو غزل میں بھی اہم ہے مگر ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر نظم نگاری میں ان کا نام صفِ اول کے شاعروں میں لیا جاتا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی رومانوی نظمیں اور فلمی گیت اپنی جگہ اہم ہیں مگر ان کی غریبوں ،مزدوروں، کسانوں اور محنت کش طبقے کے لیے لکھی گئی نظمیں بھی اہم ہیں۔ معظمہ نقوی کے انتخاب سے پتا چلتا ہے کہ اُن کے ذہن کے کسی گوشے میں کہیں نہ کہیں ترقی پسند تحریک کا سا نظریہ یا خیال بھی ہے اسی یے انھوں نے ساحر لدھیانوی کی نظم ''ساتھی ہاتھ بڑھانا'' کا انتخاب کیا ہے۔ نظم کے عنوان سے تو لگتا ہے کہ یہ کوئی محبت یا رومان پرور جذبے کی حامل ہوگی مگر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم دراصل محنت کرنے والے ساتھیوں کو اتحاد و اتفاق اور اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ساحر لدھیانوی کی یہ نظم چار بندوں پر مشتمل ہے۔ نظم کا آغاز ایک مکمل مصرعے اور ایک ادھورے مصرعے سے ہوتا ہے۔

''ساتھی ہاتھ بڑھانا

ایک اکیلا تھک جائے گا، مِل کر بوجھ اُٹھانا

ساتھی ہاتھ بڑھانا(۱۲)''

ساحر لدھیانوی نے پوری نظم میں اسی بات کی یاددہانی کروائی ہے کہ مل کر ہی سارے کام ہو سکتے ہیں اور دنیا میں جتنی بھی ترقی ہوئی ہے یہ سب ہمارے بازووں کی قوت سے ہوئی ہے۔ اگر قطرے مل جائیں تو دریا بن جائے، ذرّے مل جائیں تو صحرا بن جائے، رائی مل جائے تو پہاڑ کھڑا ہو جائے اور اگر یہ انسان آپس میں مل جائیں تو جو تقدیر ہے اسے بھی اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ آخری بند میں ان کی اصل ذہنیت واضح ہوتی ہے جب وہ بتاتے ہیں کہ محنت کرنے والوں کو دولت والوں نے اپنے قابو میں کِیا ہوا ہے اور اے انسانو! مل کر اس غلامی سے نجات حاصل کرو اور اپنا حق چھین کر لے لو۔ آخری بند ملاحظہ فرمائیں:

ؔ ماٹی سے ہم لعل نکالیں موتی لائیں جل سے

جو کچھ اس دنیا میں بنا ہے بنا ہمارے بل سے

کب تک محنت کے پیروں میں دولت کی زنجیریں

ہاتھ بڑھا کر چھین لو اپنے خوابوں کی تعبیریں

ساتھی ہاتھ بڑھانا(۱۳)

ساحر لدھیانوی کی ایک اور نظم بھی معظمہ نقوی نے اپنے انتخاب میں شامل کی ہے جس کا ٹائپنگ کی غلطی کی وجہ سے عنوان ''غزل'' لکھا ہوا ہے۔ یہ نظم رومانوی جذبات کا اظہار ہے، اس نظم میں شاعر اپنے محبوب سے یہی کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ میری محبت کو قبول کر لیں کیونکہ شاعر کو اُس وقت تک سکون نہیں آئے گا جب تک اُس کا

محبوب اُس کی محبت کو مان نہیں لیتا۔ نظریں، جلوے، خواب، لمحے، شکایت، آرزو، خیال، دعا، صنم، خدا، پرستش، عبادت، لاج، پیغام، روح، تسکین، دل، غم، جان، جدائی اور آرام وغیرہ نظم کی اہم لفظیات ہیں، نظم کے تین بند ہیں، آخری بند ملاحظہ فرمائیں:

؎ تمھاری جھکتی نظر سے جب تک نہ کوئی پیغام مل سکے گا

نہ روح تسکین پا سکے گی نہ دل کو آرام مل سکے گا

غمِ جدائی ہے جان لیوا یہ اِک حقیقت قبول کر لو

مِری محبت قبول کرلو(۱۴)

محسن نقوی کا نام اردو شاعری کے باب میں نظم، غزل، سوز و سلام اور اہلِ بیت کی تعریف کے حوالے سے اہم رہا ہے۔ معظمہ نقوی نے اپنے انتخاب میں محسن نقوی کی ایک غزل اور ایک نظم شامل کی ہے۔ شاملِ انتخاب نظم کا عنوان ہے، ''تھک جاؤ گی''۔ یہ محسن نقوی کی آزاد نظم ہے اور ایک محبت کے خواب دیکھنے والی لڑکی کے نام ہے۔ جو ابھی نئی نئی محبت کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے تو محسن نقوی اپنی اس نظم میں اسی سے مخاطب ہو کر بتاتے ہیں کہ یہ راستا کس قدر دشوار اور کٹھن ہے اور اِس راہ پر چلنے والوں کو کیسی کیسی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ آزاد نظم ہے۔(ایسی نظم جس میں اوزان کا تو خیال رکھا جاتا ہے مگر مصرعے برابر نہیں ہوتے اور نہ ہی قافیہ، ردیف کی پابندی کی جاتی ہے۔) محسن نقوی اپنی نظموں میں ایک ایسے شاعر کے طور پر نظر آتے ہیں جو محبت کے میدان میں بہت سے تجربات کر چکا ہو، جسے محبت میں آنے والی ہجر و وصال کی لذتوں اور رستے کی رکاوٹوں کا بخوبی اندازہ ہو۔ محبت کرنے والوں کو زمانہ پاگل سمجھتا ہے، محبت کرنے والے اپنی شوخیوں اور اداؤں ہی سے پاگل لگتے ہیں۔ محسن نقوی کی نظم میں لڑکی، پاگل، خوا، آنکھیں، کانچ، کندن، راکھ، خوشبو، ریشم، سفر، دھوپ، تیشے، رات، دوزخ، منزل، رسوائی،

تنہائی، ریت، پیاس اور سراب وغیرہ لفظیات ہیں، جن کے معنی قاری پر نظم پڑھتے ہوئے کھلتے ہیں۔ محسن نقوی کی شاعری میں ریت، صحرا، دھوپ، بارش، دریا، سفر اور ہوا وغیرہ کی لفظیات نئے اور انوکھے معانی میں آئے ہیں۔ محسن نقوی کی شاملِ انتخاب نظم دیکھیں:

تھک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی

اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو

تھک جاؤ گی

کانچ سے نازک خواب تمھارے

ٹوٹ گئے تو پچھتاؤ گی

سوچ کا سارا اجلا کندن

ضبط کی راکھ میں جل جائے گا

کچے پکے رشتوں کی خوشبو کا ریشم

کھل جائے گا

تم کیا جانو!

خواب سفر کی دھوپ کے تیشے

خواب ادھوری رات کا دوزخ

خواب خیالوں کا پچھتاوا

خوابوں کی منزل رسوائی

خوابوں کا حاصل تنہائی

تم کیس جانو!

مہنگے خواب خریدنے ہوں تو

آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں۔۔۔یا

رشتے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پھانکو

پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو

تھک جاوگی!!!(۱۵)

پروین شاکر کا نام غزل اور نظم دونوں حوالوں سے بے حد اہم ہے۔ انھوں نے شاعری میں جو رُومانی طرز ایجاد کی ہے اس سے پہلے کسی شاعر کے ہاں ایسا رویہ نظر نہیں آتا۔ پروین شاکر محبت اور خوشبو کی شاعرہ ہیں۔ آغاز کی شاعری میں وہ سراپا محبت ہیں اور بعد کی شاعری میں اُن کی ذاتی زندگی کی تلخیوں اور وطن کی محبت کا اظہار نمایاں ہوا۔ پروین شاکر کی شاعری کے متعلق خواجہ زکریا لکھتے ہیں:

”محبت کی شاعری میں محسوسات کا اظہار بلا جھجک کیا گیا ہے اور اپنی سوچوں کے اظہار سے خائف نہیں ہوئیں۔(۱۶)“

معظمہ نقوی نے محبت و رومان کی شاعرہ پروین شاکر کی نظم ”آج کی رات“ کا انتخاب کِیا ہے۔ یہ نظم محبت بھرے جذبات اور ایک عرصہء ہجر کے بعد محبوب سے ملاقات کی رات پیار کے جذبات کا اظہار ہے۔ انھوں نے اپنی

اس نظم میں اُس رات کو جاگنے اور تجدید ملاقات کی رات کہا ہے۔ کیونکہ نظم پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شاعرہ اپنے محبوب سے جدائی کاٹ رہی تھی اور ملاقاتوں کا سلسلہ ایک عرصے سے منقطع تھا، آج جب ایک رات انھیں ملاقات کا موقع مل ہی گیا ہے تو وہ اپنے محبوب کو یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ آج کی رات سونا نہیں ہے:

؎ آج کی رات تو سونے کی نہیں ہے جاناں!

آج کی رات ہے تجدیدِ ملاقات کی رات

العطش کہتے ہوئے جسم کی پیہم آواز

الاماں کہتی ہوئی روح کی بے چین صدا (۱۷)

نظم میں پروین شاکر لفظی بازی گری سے اپنے تعلقات اور محبت و رومان پرور جذبات کا ذرا بے باکانہ اظہار کرتے کرتے لفظوں کی تہیں بنا لیتی ہیں اسی لیے نظم پڑھتے ہوئے عریانیت کا عنصر نمایاں نہیں ہوتا اور قاری بلا جھجک آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آزاد نظم ہیئت اختیار کی گئی ہے۔ بارش، یاد، قرب، خواہش، آنکھیں باتیں، رات، روشنی، رگ وپے، ہونٹ، نمی سرشار، بانہیں، رنگ، سمندر، تصویر، ٹکڑے، سمبندھ، حیرت کدہء ہستی، قرض، تن، لمحہ، روح، صحرا اور برسات وغیرہ جیسی لفظیات کے سہارے اس نظم کے خیالات کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ نظم کا بقیہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

؎ تیز بارش کی دعاوں میں تجھے یاد کیے

ایک مدت سے لیے بوجھ دلِ خستہ پر

تیری خواہش کا، ترے قرب کی آسائش کا

ساتھ دیکھے ہوئے خوابوں کا نشہ آنکھوں میں

ساتھ سوچی ہوئی باتوں کی نظروں میں

رات کے ہاتھ میں کیا ہاتھ دیا ہے دل نے

پاوں پڑتے ہی نہیں جیسے زمیں پر اس کے

روشنی کیسی رگ وپے میں اتر آتی ہے

دور تک صرف تِری شکل نظر آتی ہے

میرے ہاتھوں میں ترے چہرے کا بے داغ کنول

تازہ بارش میں تو کچھ اور کِھلا جاتا ہے

میری آنکھیں، تِرے ہونٹوں کی نمی سے سرشار

ساری دنیا سے چھپائے تِری بانہوں کا حصار

ذہن میں گھومتا ہے پہلے پہل کا ملنا

اور پھر رنگِ ملاقات کا گہرا ہونا

اور پھر ملنے کی خواہش کا سمندر رہونا

دھیرے دھیرے کسی تصویر کے ٹکڑے ملنا

جس کی ترتیب نے دو روحوں کا سمبندھ کیا

اور یہ سچ ہے کہ حیرت کدہء ہستی میں

ایک پہچان کا لمحہ بھی بہت ہوتا ہے

ہم پہ اس لمحے کا کچھ قرض ہے باقی اب تک تن میں تن جذب کریں

روح میں روح سموئیں کہ یہ ساعت ہے تشکر کے لیے

ریگ صحرا پہ اتر آئی ہے برسات کی رات

آج کی رات ہے تجدیدِ ملاقات کی رات(۱۸)

امجد اسلام امجد کا نام بیسویں صدی کے آخری ربع میں سامنے آیا۔ ان کی غزل، نظم، ڈرامہ، فلم وغیرہ نے انھیں شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ ان کی ایک نظم کا انتخاب کر کے معظمہ نقوی نے اپنے باذوق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ آزاد اور معریٰ نظم کا آغاز تو بیسویں صدی کے پہلے ربع میں ہوا مگر اسے وسعت آزادی کے بعد ملی۔ راشد، میر اجی، مجید امجد جیسے بڑے ناموں نے انھیں فروغ دیا مگر ان کے بعد کی نسل نے نظمِ معریٰ اور نظمِ آزاد کو فروغ دینے میں کردار ادا کیا۔ امجد اسلام امجد کا نام بھی نظم کے نئے معماروں میں آتا ہے۔ ان کی منتخب نظم ''اگر کبھی میری یاد آئے'' ہے۔ شاعرانہ تخیل سے کام لیتے ہوئے، علامتوں اور استعاروں کا سہارا لیتے ہوئے شاعر نے اپنا ملنے کا پتہ بتایا ہے مگر وہ ایک لاحاصل محبت ہے جسے وہ اپنے ملنے کے پتے بتا رہا ہے۔ کہیں خود کو ستاروں سے، کہیں اوس کے قطروں سے، کہیں گرد راہ سے، کہیں چراغ کے گرد گھومتے، جلتے، بُھنتے پتنگے سے اور کبھی خاکِ پروانہ سے ملا رہا ہے اور سمندروں میں کھوئے جانے کے بعد کسی دور کے جزیروں پر جا لگنے کا کہہ رہا ہے اور ہر جگہ اپنے محبوب سے یہی کہہ رہا ہے کہ مجھے فلاں جگہ ڈھونڈنا، فلاں جگہ تلاش کرنا اور آخر میں یہی کہتا ہے کہ اگر کبھی سمندروں کا سفر کرو تو اُس جزیرے پر ضرور آنا جہاں میری خاک جا کر لگے گی، میں اُس جزیرے سے تجھے صدائیں دوں گا۔ نظم ملاحظہ فرمائیں:

اگر کبھی میری یاد آئے	گر اوس قطروں کے آئینوں میں، پتیوں میں، خوشبوؤں میں
تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں	نہ پاؤ مجھ کو تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
کسی ستارے کو دیکھ لینا	میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمھیں ملوں گا

کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو سوچ لینا	اگر وہ نخلِ فلک سے اُڑ کر تمھارے قدموں میں آ گرے تو
کہ ہر پتنگے کے ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں	یہ جان لینا وہ میرا دل تھا
تم اپنے ہاتھوں سے ان پتنگوں کی خاک دریا میں ڈال دینا	اگر نہ آئے مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا	کہ تم کسی پہ نگاہ ڈالو، تو اس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے
کسی نہ دیکھے ہوئے جزیرے پہ رُک کے تم کو صدائیں دوں گا	وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے۔۔۔
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اُس جزیرے پہ بھی اُترنا	اگر کبھی میری یاد آئے
اگر کبھی میری یاد آئے	گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
تو اُس جزیرے پہ بھی اترنا(۱۹)	میں خوشبوؤں میں تمھیں ملوں گا
	مجھ اوس کے قطروں کے آئینوں میں تلاش کرنا
	میں پتّیوں میں تمھیں ملوں گا

اردو ادب میں موسموں، رنگوں، تہواروں، رسموں، رواجوں، میلوں، ٹھیلوں اور یادگار دِنوں کے حوالے سے ہمیشہ نظمیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ اپنے محبوب سے ہجر و وصال اور عشق و رومان کی باتیں ان علامتوں اور استعاروں کے سہارے کی گئی ہیں۔ ایسے ہی اردو شاعری میں دسمبر کا مہینہ سخت سردی کا مہینہ ہے اور اس مہینے کو یادوں کے مہینے کے طور پر یا وصال کی آرزو کی شدت کی علامت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اکثر شعرا کے ہاں دسمبر کے حوالے سے نظمیں اور اشعار مل جاتے ہیں۔ معظمہ نقوی نے ایسی ہی ایک نظم ”دسمبر آ گیا ہے“ کا انتخاب کیا ہے جس کے خالق عرش صدیقی ہیں۔ نظم میں سردی کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اگر تم نہ لوٹو گے تو بھلا میری سوکھتی ہوئی جان میں گرمائش کیسے آئے گی۔ میرا خون سوکھ جائے گا، دراصل شاعر محبوب سے وصال رُت کی

خواہش کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ نظم طویل نہیں ہے آزاد نظم کی ہیئت میں ہے، لفظیات کے سہارے لیے گئے

ہُن نظم ملاحظہ فرمائیں:

نظم

اُسے کہنا دسمبر آ گیا ہے

دسمبر کے گزرتے ہی برس اک اور ماضی

کی گپھا میں ڈوب جائے گا

اُسے کہنا دسمبر لوٹ آئے گا

مگر جو خون سو جائے گا جسموں میں

نہ جاگے گا

اُسے کہنا ہوائیں سرد ہیں اور

زندگی کی کہرے دیواروں میں لرزاں ہیں

اسے کہنا شگوفے ٹہنیوں میں سو رہے ہیں

اور اُن پر برف کی چادر بچھی ہے

اسے کہنا اگر سورج نہ نکلے گا

تو کیسے برف پگھلے گی

اُسے کہنا کہ لوٹ آئے (۲۰)

مندرجہ بالا نظموں کے علاوہ ایک ایک نظم نوشی گیلانی، فاخرہ بتول، ڈاکٹر ابرار عمر، ابرارالحق اور سب سے آخر میں معظمہ نقوی نے اپنی ایک نظم "ادھورا عشق" شامل کی ہوئی ہے۔ یہ تمام نظمیں عشق و رومان پرور جذبات کا اظہار ہیں اور ہجر و وصال کی رُت کے ہنستے روتے ہوئے لمحوں کا بیان ہیں۔ نظمیں یا آزاد ہین یا معریٰ ہیں۔ پابند نظم ایک بھی نہیں ہے اور نہ ہی ان نظموں میں معشرتی حوالوں سے ترقی پسند یا مزاحمتی انداز ملتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے انتخاب کرنے والی موصوفہ نے زیادہ تر دِل میں اترنے والے جوان جذبوں کی حامل نظموں کا انتخاب کِیا ہے۔ ویسے بھی انتخاب کرنے والی معظمہ نقوی ابھی خود طالبہ علم ہیں اور کم عمر ہیں۔ اس عمر میں زیادہ تر نوجوان طبقہ ایسی ہی رُومانی شاعری کو پسند کرتا ہے۔ آخر میں معظمہ نقوی کی وہ نظم ملاحظہ فرمائیں جو سب سے آخر میں شامل ہے:

ادھورا عشق

لاکھ جی جلانے سے
دل پہ زخم کھانے سے

اشک خوں بہانے سے
زندگی گنوانے سے

کب یہ پورا ہوتا ہے؟
عشق ادھورا ہوتا ہے

عشق ادھورا ہوتا ہے
عشق ادھورا ہوتا ہے(۲۱)

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''نظمِ جدید کی کروٹیں''، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، 1947ء، ص26

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''ارسطو سے ایلیٹ تک''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1993ء، ص320

۳۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیری غازی خان، 2019ء، ص11، 12

۴۔ ایضاً، ص13

۵۔ ایضاً، ص14

۶۔ ایضاً، ص23

۷۔ ایضاً، ص24

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تحریکیں''کراچی، انجمن ترقئ اردو، 2013ء، ص470

۹۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیری غازی خان، 2019ء، ص28

۱۰۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیری غازی خان، 2019ء، ص29

۱۱۔ فیض احمد فیض، ''نقشِ فریادی''، تاج آرٹ پریس، دہلی، 1941ء، ص62

۱۲۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیری غازی خان، 2019ء، ص30

۱۳۔ ایضاً، ص31

۱۴۔ ایضاً، ص32

۱۵۔ ایضاً، ص42، 41

۱۶۔ محمد زکریا، خواجہ ، ''مختصر تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند''، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2020ء، ص709،710

۱۷۔ معظمہ نقوی، ''کفِ دست''، بلوچ پرنٹنگ سروس، ڈیری غازی خان، 2019ء، ص46

۱۸۔ ایضاً، ص47

۱۹۔ ایضاً، ص48،49

۲۰۔ ایضاً، ص52

محاکمہ

معظمہ نقوی کی کتاب "کف دست" کے حوالے سے یہ مقالہ چار اَبواب کا حامل ہے باب اول میں معظمہ نقوی کے اَحوال و آثار کے متعلق بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسرے باب میں اُردو ادب میں شعری انتخاب کی مختصر روایت کے بارے میں بیان کیا گیا اور تیسرے باب میں "کف دست" کی غزلیات کا جائزہ کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں "کف دست" کی نظموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

معظمہ نقوی ایک مشہور شاعرہ ہیں ان کی پیدائش ڈی جی خان محلہ غازی شہر میں ہوئی آپ کا نام "سیدہ معظمہ نقوی" ہے اور آپکا قلمی نام معظمہ نقوی ہے آپ کا تخلص نقوی ہے اور آپ کی قومیت جعفری ہے جن سے آپ کی شادی ہوئی آپ نے قرآن پاک کی تعلیم اپنی دادی اماں سے حاصل کی آپ نے شعر و شاعری کرکے کافی حد تک شہرت حاصل کی آپ نے ابتدائی تعلیم سکول نمبر 1 سے حاصل کی اور اعلیٰ ثانوی کی تعلیم شہر کے قدیم ہائی سکول ملا قائدہ شاہ سے مکمل کی۔ آپ نے ایم اے اُردو کی ڈگری حاصل کی ڈپلومہ جات لائبریری سائنس و کمپیوٹر آئی ٹی والم ایس ورڈ کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے گریجویشن کی تعلیم اور ماسٹر کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔

معظمہ نقوی نے اپنی پہلی تصنیف "نوائے نقوی" منظر عام پر آئی اور یہ کتاب میری نثری تخلیقات تحقیقی مضامین، کالم و تبصرہ جات پر مشتمل ہے آپ نے "کف دست اور موت نامہ ان دونوں میں ان ان دو تالیفات کا مقصد آپ نے اپنی ناقص الصفل کے ذریعے یوں سوچا کہ آپ کو اپنے بزرگوں کی پیروی میں قدم بڑھانا ہے اس کے علاوہ غزل، متعرف اشعار، اسلام وہ طعات نیز افسانہ نگاری ہے معظمہ نقوی اُردو شاعری سے ہر زمانے میں خاص وعام

کا دلچسپ مشغلہ رہا ہے میر تقی میر کے 72 نثر شاقدین کی وجہ حاصل رہے ہیں۔ معظمہ نقوی نے اس انتخاب میں 74 نثر سمو کر ایک خوبصورت انتخاب ادب شعر کے قارئین کی نظر کر دیا ہے۔

معظمہ نقوی غزل کے علاوہ نظم میں بھی دلچسپی رکھتی ہیں ان کی غزلیات دل پذیر ہیں نہ صرف دل پذیر بلکہ منفرد ہیں انسانیت ان کے ہاں اعلیٰ قدر قدر ہے ان کے نزدیک انسان دوستی انسانیت ہے سادگی پسندی مزاج کا حصہ ہے کہیں کہیں ظراقت کا گوشہ بھی گل کی طرح کھلتا نظر آتا ہے۔ وہ تعلیم کی قدر دان ہے۔

باب دوم میں معظمہ نقوی کی "اُردو ادب میں شعری انتخاب کی مختصر روایت" کو بیان کیا گیا ہے اُردو اداب کی تاریخ مُس شاعری اور نثر کی روایت کی اپنی اہمیت ہے اُردو شاعری کا آغاز سعد سلمان لاہوری اور امیر خسرو سے ہوا تو اسی وقت سے اُردو شاعری کی روایت کا آغاز ہو گیا ادب میں انتخاب کے اصطلاحی معانی کی بات کی جائے تو اضافہ نظم و نثر میں سے اپنی پسند کے مطابق کچھ بھی منتخب کرنا انتخاب کہلاتا ہے اُردو ادب کو اپنی جگہ بنانے میں خاصا وقت لگا اُردو سے فارسی ادب کا چرچا تھا، بہت سی اَضاف و روایات فارسی سے اُردو میں تنقل ہوئی ہیں۔ اُردو شعراء کا پہلا تذکرہ میر تقی نے لکھا ہے جس کا نام نکات الشعراء ہے یہ تخذرہ ہے تو اُردو شاعری کا مگر فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ خدائے سخن میر تقی میر اُردو کے عظیم شاعر ہیں اور ان کا یہ تذکرہ خاصا اہمیت کا حامل ہے اس تذکرہ میں کل ۱۰۴ شعراء کا ذکر ہے ۳۲ شعراء دکنی ہیں اُردو زبان میں لکھے جانے والے تذکروں کی بات کی جائے تو مرزا علی لطف کا لکھا ہوا تذکرہ گلشن ہند اُردو زبان میں پہلا تذکرہ ہے جس کا سن تصنیف ۱۸۰۱ء ہے۔ ان کے علاوہ بھی بیسویں فارسی اُردو تذکرے ہیں جو ۱۸۸۰ء سے پہلے لکھے گئے تھے۔ آخری معتبر تذکرہ محمد حسین آزاد کا سمجھا جاتا ہے جس کا نام آب حیات ہے اور اس کا سن تصنیف ۱۸۸۰ء ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ نگاری کی روایت سے پہلی کتاب جو اُردو ادب کی تاریخ کے متعلق لکھی گئی وہ رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب A History of Urdu Literature ہے۔ ۱۹۲۹ء میں مکمل ہوئی مگر

۱۹۳۱ء میں لندن میں شائع ہوئی میر تقی میر سر تاج شعرائے اُردو میں ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کلام فارسی زبان میں۔ اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میر کا نام اس فہرست میں ضرور داخل کرنا ہو گا۔

باب سوم میں معظمہ نقوی نے "کف دست" کی غزلیات کے جائزے کو بیان کیا گیا ہے "کف دست" ایک انتخاب ہے جس میں معظمہ نقوی نے منتخب غزلیات اور نظمیں شامل کیہیں اس باب میں "کف دست" کی صرف غزلیات کا مختصر ترین جائزہ پیش کیا جائے گا کتاب میں کل ۵۹ غزلیات اور ۱۵ نظمیں شامل ہیں کسی شاعر کی ایک نظم اور ایک غزل یا کسی کی صرف نظم شامل انتخاب ہے۔ کتاب کا آغاز احسان دانش کی نظم "دیہات کی شام" سے ہوتا ہے اس کے بعد معظمہ نقوی نے اپنی ہی نظم "تم" شامل کی ہے نظموں کے بعد ڈاکٹر صابر شاہین کی دو غزلیں شال ہیں پہلی غزل پانچ جبکہ دوسری غزل سات اشعار کی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ناصر کا بھی نے پاکستانی اُردو کی جدید فکری و جذباتی بنیادوں کو استوار کرنے اور اس کے مزاج کو ایک واضح تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی غزل میں تشکیل تعمیر کے عمل سے دوچار ایک تمدن کی گونج ایک تذہیب کی پکار اور ایک ثقافت کے آشوب کے اظہار کا لیلتہ اور قرینہ قرینہ موجود ہے "ان کی غزلیں ترقی پسند رجحانات کے ساتھ ساتھ ادب کے فنی معیار پر پوری اترتی ہیں جیض نے اپنے زمانے کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے انہوں نے رومانیت پسندی کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری کو اپنایا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا نام بھی غزل، نظم، افسانے کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ترقی پسند فکر کے حامل اس شاعر نے اپنی غزلوں میں ہمہ رنگی پیدا کرنے کی کوشش کیہے ان کی شامل انتخاب گزل میں رومانی جذبات کا اظہار ہے اور محبوب کے ساتھ معاملات محبت پر شاعرانہ بات حیثیت کی گئی ہے۔ سیف الدین سیف کی منتخب غزل بھی شامل ہے اور اس غزل میں جذبات کا

اظہار نہایت درد بھرے انداز میں کیا گیا ہے غزل کا ایک شعر وزبان ردعام ہے احمد فراز آج بھی ہزاروں دلوں کی دھڑکن ہیں اور ان کے چاہنے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ احمد فراز جدید اُردو غزل کا معتبر حوالہ میں معظمہ نقوی نے ان کی دو غزلیں شامل کی ہے ایک تو مقبول ہے اور مہدی حسن نے تو اس کو گایا بھی ہے۔

باب چہارم میں معظمہ نقوی نے "کف دست" کی نظموں کے جائزے کو بیان کیا گیا ہے۔ معظمہ نقوی کے مربت کردہ انتخاب "کف دست" میں ویسے تو غزلیات کی تعداد زیادہ ہے مگر ۱۰ نظمیں بھی شامل ہیں۔ نظم اور غزل میں واضح فرق ہے نظم کے لغوی معنی لڑی میں پرونا کے ہیں اور غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا کے ہیں غزل کی اپنی ایک خاص پست ہے احسان دانش کا نام اُردو غزل اور نظم دونوں حوالوں سے نہایت اہم ہے "کف دست" میں پہلی نظم احسان دانش کی شامل ہے۔

کتابیات

۱۔ انٹرویو عتیق الرحمن، راقمہ شخصیت و کردار گورنمنٹ بوسن گریجویٹ کالج راجن پور، ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء

۲۔ انور صابر، ڈاکٹر پاکستان میں اُردو غزل کا ارتقاء" مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۳۲

۳۔ امتیاز احمد، سید مرتب، "ساحر لدھانوی سے بشیر لد تک (انتخاب)"، لاہور، نستعلیق مطبوعات ۲۰۰۵ء ۱۰۳

۴۔ انور لسدید، ڈاکٹر، "اُردو ادب کی غزلیں، کراچی، انجمن ترمی، ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء، اُردو ۲۰۱۳ء، ص: ۴۷۰

۵۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، پاکستان میں غالب شناسی، مکسا پن لیکس ملتان، ۲۰۲۳ء، ص: ۱۴

۶۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، "پاکستان میں فالب مسانی، بیلن بکس ملتان، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۴

۷۔ وزیر آغاز، ڈاکٹر نظم جدید کی کروٹیں، سکینہ مری لائبریری، لاہور ۱۹۴۷ء، ص: ۲۶

۸۔ وقار احمد رضوی ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۵۳۳

۹۔ راقمہ کا سمیہ شاہین سے انٹر لمقام آبائی گھر کوٹ مٹھن، ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۱ء

۱۰۔ راقمہ، ڈاکٹر، تشکیل پتافی سے انٹرویو، احوال ملازمت بمقام آبائی کوٹ مٹھن ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۱

۱۱۔ راحت بدر، ڈاکٹر جاوید اُردو غزل ایم آر پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۱۸

۱۲۔ راحت بدر، ڈاکٹر جاوید اُردو غزل ایم آر پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۴۴

۱۳۔ فیض احمد فیض، نقش فریادی، تاج ادت پریس، دہلوی فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو شعراء کے

۱۴۔ تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۱

۱۵۔ دہلوی، سید احمد، "فرہنگ آصفیہ، جلد اول" دہلی: نیشنل اکادمی، گنج دریا، ۱۹۷۴ء ص: ۲۴۰

۱۶۔ آزاد، محمد حسن آزاد، آب حیات"، لکھنو، اترپردیش، اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۱۵

۱۷۔ مبارک علی، ڈاکٹر، "اُردو میں تاریخ نویسی"، مشمولہ: تاریخ شمارہ ۳۲، تاریخ نویسی نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء، ص: ۱۰۸

۱۸۔ محمد زکریا، خواجہ "مختصر تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند"، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۰۹۔ ۱۰۷

۱۹۔ اسد اللہ شاہ مرتب، "افتخار کلام داغ، لاہور، خزینہ، علم و ادب، ۲۰۰۱ء، ص: ۵۱

۲۰۔ قیصر، فیض رسول، مرتب، "عکس جہاں (انتخاب)"، ملتان: سخن سرائے پبلیکیشنز، ۲۰۲۲، ص: ۱۱۳

۲۱۔ چشتی، یوسف سلیم، پروفیسر، "شرح دیوان غالب"، مرتبہ ترقی ادب، امرویہہ، ص: ۵۲۱

۲۲۔ نظیر صدیقی، "جدید اُردو غزل ایک مطالعہ"، گلوب پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۸

۲۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارشو سے اہلیت تک"، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص: ۳۲۰